Text

1974

MUKADAMA

SHAHEENA FIRDOUS

س ۸۹۱۴

مخصوص کا در

مصنف ،،

عنوان ،،

ترقیم ،،

فردوسی - سوانح حیات، مقدمہ

SHAHEENA FIRDOOS

MUKADAMA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

ادبی تحقیقات اور تاریخی وقت نظر کا خیال رکھتے ہوئے عام طور پر جب
کبھی کسی مشرقی ادیب کی زندگی کے حالات اور کارناموں کا جائزہ لینے کی کوشش
کی گئی مشہور روایات اور مسلمہ واقعات ہمیشہ قصے کہانیاں ہی نظر آئے۔ یہی
حال فردوسی اور اسکے حالات زندگی کا بھی ہے۔

فردوسی کے متعلق اگر کچھ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے تو بس اتنا کہ
"پسرے بود پدرے داشت" ہر حقیقت افسانوں سے مل جل کر ایسی
مسخ ہو گئی ہے کہ جو کچھ کہہ لیا جائے سب درست اور جس چیز کی چھان بین
کی جائے سب غلط۔ ہر واقعہ کے لیئے تناقض اور متضاد روایتیں ملتی ہیں
جن میں اصل و نقل کا تمیز سخت دشوار ہوتا ہے۔ نام ہی کو لیجیے یورپین محققین کا

فردوسی کا نام اور تخلص

کہ فردوسی کا نام ابوالقاسم منصور ہے علامہ
ہے کہ اس کا نام حسن بن اسحاق بن ش
ہ میں ابوالقاسم حسن بن علی طوسی لکھا ہے۔ تذکرہ

مرالعجم حصہ اول انوار المطابع لکھنؤ

بن شرف شاہ کہتا ہے۔ دیباچۂ بایسنغری اور مجالس المومنین منصور بن احمد بتاتے ہیں۔ دیباچۂ قدیم شاہنامہ ابوالقاسم منصور لکھتا ہے۔ پروفیسر شیرانی بمقابلہ دیگر کتب کے دیباچہ قدیم پر اعتبار کرتے ہوئے فردوسی کا نام ابوالقاسم منصور مانتے ہیں اور یہی بیان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

تخلص کے متعلق دولت شاہ نے لکھا ہے کہ فردوسی کی جائے پیدائش کے قریب ہی ایک باغ تھا جس کو "فردوس" کہتے تھے۔ اور جس کے مالک کے یہاں فردوسی کا باپ ملازم تھا۔ اسی مناسبت سے اس نے اپنا تخلص "فردوسی" اختیار کر لیا جس نے زندگی بھر اس کا ساتھ دیا اور مرنے کے بعد شہرت جاودانی کا سامان فراہم کر دیا۔

وطن

نام کی طرح فردوسی کے وطن کا معاملہ بھی مختلف فیہ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ "باژ" نام ایک گاؤں کا رہنے والا تھا اور کسی کا خیال ہے کہ وہ "شاداب" نام ایک دوسرے گاؤں کا باشندہ تھا۔ دونوں مواضع طوس کے گرد و نواح میں واقع ہیں جو خراسان کا ایک شہر ہے اور اب مشہد مقدس کہلاتا ہے۔

سال پیدائش و وفات

تاریخ پیدائش یا سال ولادت ابھی اب تک تحقیق نہیں ہو سکا۔ شبلیؒ کے حساب سے سال پیدائش تقریباً ۳۲۹ھ قرار پاتا ہے۔ اور شیرانی کے حساب سے ...ور ۳۲۳ھ کے درمیان۔ یورپین محققین براؤنؒ اور نولدکی وغیرہ

...ا انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی صفحہ ۵۵

... پرشیا مصنفہ ڈاکٹر براؤن۔ جلد دوم صفحہ ۱۳۹

... تنقید شعر العجم صفحہ ۸۸

... جلد دوم صفحہ ۱۳۴

۴۲۳ھ یا ۴۲۲ھ بتلاتے ہیں۔ سال وفات کا بھی یہی قصہ ہے عام طور پر تذکرہ نویس ۴۱۱ھ لکھتے ہیں لیکن شبلی کا خیال ہے کہ فردوسی اس سے چند سال قبل ہی راہی ملک عدم ہو گیا۔ اور طوس یعنی مشہد میں مدفون ہوا۔

حالات کے ماخذ

فردوسی کے حالات معلوم کرنے کے جو قدیم ذرائع ہیں اور جا بجا جن کتب کے حوالے ملتے ہیں ان کو جان لینا بھی ضروری ہے

۱۔ شاہنامہ۔۔ سب سے زیادہ قابل اعتبار اور بہترین ثبوت فراہم کرنے والی چیز خود فردوسی کی تصنیفات بالخصوص شاہنامہ ہے جو ۳۷۰ھ میں لکھنا شروع کیا گیا اور ۴۰۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ فردوسی چونکہ صاف گو سادہ مزاج اور نیک نفس انسان تھا لہذا اکثر اپنے حالاتِ زندگی کی طرف مختلف عنوانات کے ماتحت ضمناً بے تکلف اشارے کر جاتا ہے۔ اور اس کی بات پر اعتبار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

۲۔ دیباچۂ قدیم

دوسری تصنیف جو کسی قدر قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ وہ "دیباچۂ قدیم شاہنامہ" ہے اس دیباچہ کی تاریخ تحریر کا تو ٹھیک پتہ نہیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ فردوسی کے انتقال کے دو ایک صدی بعد لکھا گیا ہے۔ گویا پانچویں صدی ہجری میں تصنیف ہوا ہے۔ اور شاہنامہ کا جزو بن کر شائع ہوا ہے۔

۳۔ چہار مقالہ

تیسری تصنیف جس کے حوالہ جات اکثر فردوسی کی زندگی کے سلسلہ میں ملتے ہیں یہ "چہار مقالہ سمرقندی" ہے۔ خیال ہے کہ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے لگ بھگ لکھی گئی چونکہ یہ تصنیف فردوسی کے زمانہ سے

حوالہ شعر العجم حصہ اول صفحہ ۵۹

اس وجہ سے کسی حد تک قابل اعتماد ہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ کچھ اور بھی کتابیں ہیں جن میں فردوسی کے حالاتِ زندگی ملتے ہیں مثلاً دیباچہ بایسنغری جو تیمور لنگ کے پوتے بایسنغر کی فرمائش پر ۸۲۹ھ میں لکھا گیا یا تذکرہ دولت شاہ جو نویں صدی ہجری کے آخر میں تصنیف ہوا۔ یا لباب الالباب عوفی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ سب فردوسی کے زمانہ سے صدیوں دور جا پڑنے کی وجہ سے بالکل قابل اعتبار نہیں رہی ہیں۔ بلکہ ان کے لکھے ہوئے حالات یا واقعات سنے سنائے افسانوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور تاریخی معیار تنقید پر پورے نہیں اترتے۔ بالخصوص دیباچہ بایسنغری جو نہایت دلچسپ انداز میں لکھا گیا ہے اور جس پر علامہ شبلی بیحد اعتبار کرتے ہیں لیکن پروفیسر شیرانی اس سے ضرورت سے زیادہ بدظن معلوم ہوتے ہیں اور اس کی کسی بات پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کو محض مزخرفات کا ایک مجموعہ سمجھتے ہیں۔

پروفیسر شیرانی کا کہنا ہے کہ "برخلاف دیگر مشاہیر کے فردوسی کے حالات کے متعلق ہر وقت اور ہر زمانہ میں تلاش و جستجو رہی اور ہر عصر میں کچھ نہ کچھ لکھا گیا۔ اس لحاظ سے فردوسی خوش نصیب کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ لیکن ایک نقص یہ ظہور ہو گیا کہ جہاں دیگر مشاہیر کے حالات سرے سے ملتے ہی نہیں وہاں فردوسی
قعات کا ایک انبار موجود ہو گیا۔ ہر قسم کی روایات جھوٹی سچی باتوں
نے ہمارے شاعر کے سوانح کو اپنی جولانیوں کا
اس لئے فردوسی کے واقعہ نگار کو اگر کوئی اصلی شکایت ہے تو
عدم غیر حاضری کے باعث نہیں ہے بلکہ ان کی افراط اور

کثرت تنوع کی بنا پر۔ کیونکہ متخالف اور متناقض روایات کا سلسلہ اس کو بےحد
پریشان کرتا ہے اور وہ شبلی کا ہم زبان ہو کر بول اٹھتا ہے "ان متناقض روایتوں
میں سے کس پر اعتبار کیا جائے" اس لئے اسکا فرض ہے کہ جب وہ فردوسی
ابیات میں لکھے تو صحیح کو باطل سے حقیقت کو مجاز سے اور تاریخ کو
افسانے سے تمیز کرنے کے لئے متقدمین میں سے کوئی نہ کوئی بدرقہ ساتھ
لے لے۔ تنہا اس دشوار گزار راستے کو طے کرنے میں بھٹک جانیکا احتمال ہے۔

کسی واقعہ کو اٹھا کر دیکھئے مختلف راویوں کے یہاں مختلف روایات
ملتی ہیں۔ اور اب تقریباً ایک ہزار سال بعد یہ طے کرنا سخت دشوار ہو جاتا
ہے کہ کس کی بات مانی جائے اور کس کو شاعری یا افسانہ نگاری سمجھ کر نظر انداز
کر دیا جائے۔ بہرحال اس حد تک یہ امر [illegible] شدہ ہے کہ فردوسی چوتھی
صدی ہجری کے نصف اول میں طوس کے نواح میں پیدا ہوا اور اس
کا بچپن اگر عیش و عشرت میں نہیں تو کم از کم بری طرح بھی نہیں گزرا۔ تھوڑی سی
زمینداری جو خدا نے دے رکھی تھی اسی سے کام چلتا رہا اور زندگی کے

شاہنامہ کی داغ بیل

دن آرام سے گزرتے رہے۔ ایرانی تمدن کے ارتقا کے
سلسلہ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ عام طور پر لوگ لمبی لمبی داستانیں
لکھنے اور پڑھنے میں لطف لیتے تھے اور اپنی تاریخ کے اوراق پارینہ کا حال اور رزمی افسانوں
کو سن کر سر دھنتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک رات فردوسی کی بیوی نے اسے
ایک عجیب داستان سنائی اور اس کو نظم کرنے کی فرمائش کی۔ اس وقت
فردوسی کی عمر ۳۵ اور ۴۰ سال کے قریب تھی۔ زندگی کی خوشگواریاں اپنا
اثر رکھتی تھیں اور محبت کی سرخوشیاں دماغوں سے محو نہیں ہو گئی تھیں جوانی
کی راتوں کی سرمستیاں ابھی بھلائی نہیں جا سکی تھیں اور مرادوں کے

زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ چنانچہ بیوی کی فرمائش فردوسی نے منظور کر لی اور داستان مذکورہ نظم کر کے 'یار مہربان' کی خدمت میں پیش کر دی۔

کاموں کی ابتدا عموماً کسی چھوٹے ہی سے واقعہ سے ہوا کرتی ہے۔ یہی فرمائشی داستان آگے چل کر شاہنامہ کی داغ بیل اور فردوسی کی شہرت و نام آوری خوش مذاقی و بلند خیالی کی تمہید بن گئی۔

تمہید داستان بیژن: قصہ یہ ہوا کہ ایک اندھیری رات میں فردوسی طوس کے ایک باغ میں آرام کر رہا تھا۔ قریب ہی فردوسی کا مکان تھا جس میں اسکے اہل و عیال رہتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ کسی نامعلوم وجہ سے اسکو اس رات نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور دل میں رہ رہ کر کچھ وحشت سی ہوتی تھی۔ تنہائی سے گھبرا کر اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ اور فرمائش کی کہ ذرا روشنی لیتی آنا۔ فردوسی کے ایما سے بیوی چراغ کے ساتھ دل بہلانے اور وقت گزارنے کے لیئے کسی قدر میوے۔ ساغر و مینا اور کچھ سامان موسیقی بھی لے آئی۔ اس انجمن آرائی اور بادہ پیمائی میں اس کی بیوی نے دفتر باستان سے اس کو ایک داستان سنائی اور فردوسی سے اسکو نظم کرنے کی خواہش کی۔ یہ داستان "داستان بیژن" تھی۔ جو [illegible] میں نظم کی گئی اور جس کی کیفیت فردوسی کی زبان میں مختصراً حسب ذیل ہے۔

ستائش کو ایزد پاک را — کہ گویا و بینا کند خاک را
بمورے دیدہ ماتس نرہ شیر — کند لب بر پیل جنگی دلیر
شبے چون شبہ روے شستہ بقیر — نہ بہرام پیدا نہ کیوان نہ تیر

ماخوذ از "فردوسی پر چار مقالے" مصنفہ حافظ محمود شیرانی مطبوعہ انجمن ترقی اردو اسند کراچی

نمودم ز هر سو سیه اهرمن　　چو مار سیه باز کرده دهن
جهان را دل از خویشتن پر هراس　　جرس بر گرفته نگهبان پاس
نه آوای مرغ و نه هرای دد　　زمانه زبان بسته از نیک و بد
نبد هیچ پیدا نشیب و فراز　　دلم تنگ شد زان درنگ دراز
بدان تنگی اندر بجستم ز جای　　یکی مهربان بودم اندر سرای
خروشیدم و خواستم زو چراغ　　درآمد بت مهربانم بباغ
مرا گفت شمعت چه باید همی　　شب تیره خوابت نیاید همی
بدو گفتم ای بت نیم مرد خواب　　بیاور یکی شمع چون آفتاب
بنه پیشم و بزم را ساز کن　　بچنگ آر چنگ و می آغاز کن
برفت آن بت مهربانم ز باغ　　بیاورد رخشنده شمع و چراغ
می آورد و نار و ترنج و بهی　　زدوده یکی جام شاهنشهی
گهی می گسارید و گه چنگ ساخت　　تو گفتی که هاروت نیرنگ ساخت
دلم بر همه کار پیروز کرد　　شب تیره همچون گه روز کرد
مرا مهربان یار بشنو چه گفت　　از آن پس که گشتیم با جام جفت
مرا گفت آن ماه خورشید چهر　　که از جان تو شاد بادا سپهر
بپیمای تا من یکی داستان　　ز دفتر برت خوانم از باستان
بدان سروبن گفتم ای ماهروی　　مرا امشب این داستان بازگوی
مرا گفت گز من سخن بشنوی　　بشعر آری از دفتر پهلوی
بگفتم بیار ای مه خوب چهر　　بخوان داستان و بیفزای مهر
مگر طبع شوریده بگشایدم　　شب تیره را اندیشه خواب آیدم
ز تو طبع من گردد آراسته　　ایا مهربان یار پیراسته

چنان چون ز تو بشنوم در بدر — بشعر آورم داستان سر بسر
بگویم پذیرم ز یزدان سپاس — ایا مہربان جفت نیکی شناس
بگفت اندر آن بت مہربان داستان — ز دفتر نوشته گه باستان
بگفتار شعرم کنون گوش دار — خرد یاد دار و بدل ہوش دار

شاہنامہ کی ابتدا اور تکمیل

شاہنامہ کی ابتدا کی کہانیوں میں یہی سب سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ فردوسی نے اتفاقیہ داستان بیژن لکھ کر محسوس کیا کہ اس دفتر باستان کی داستانوں میں مقبولیت اور ہر دل عزیزی کے کیا اقدار پوشیدہ تھا اور خود اسکی ذات میں شعر و سخن کی کیا صلاحیتیں موجود ہیں۔ داستان بیژن تو فردوسی نے محض تفریحاً اپنی بیوی کی فرمائش پر نظم کر دی تھی لیکن جب وہ شائع ہو کر مقبول عام ہوئی اور دوستوں کی تحسین و آفرین اور سخن شناسوں کی ہمت افزائی اور اصرار نے مجبور کیا تو آخر پانچ سال بعد فردوسی نے اللہ کا نام لے کر اس بار گراں کو اٹھانے کی دل میں ٹھان ہی لی اور سنہ ۳۷۰ھ میں کچھ قومی خدمت اور کچھ ذاتی فائدہ کے خیال سے اس فلک نما عمارت کی بنیادیں بھرنا شروع کر دیا جو ۳۰ سال بعد کارنامہ حیرت و اعجاز فردوسی بن کر دنیا کے سامنے آیا۔

پی افگندم از نظم کاخ بلند — که از باد و باران نیابد گزند

اس کاخ بلند کی تعمیر میں تقریباً ۲۰ سال کام کرنے کے بعد فردوسی نے غزنین جا کر یہ حاصلِ حیات سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی فیاضیوں سے مستفیض ہوتے ہوئے تقریباً چھ سال اس پر مزید کام جاری رکھا

سخن را نگہ داشتم سال بیست — بدان تا سزاوار این گنج کیست

عام طور پر مشہور ہے کہ شاہنامہ کی ابتدا سلطان محمود کی فرمائش پر

اور اس کے دربار میں پہونچ کر کی گئی لیکن خود فردوسی کا بیان اسکے برعکس ہے۔ شاہنامہ کی تکمیل کے متعلق وہ کہتا ہے۔

کہ گفتم من این نامۂ شہریار ۔۔۔ زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار

پانچ کو اسی سے ضرب دیں تو چار سو ہوتے ہیں گویا شاہنامہ کی تکمیل قطعی طور پر سنہ ۴۰۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت فردوسی کی عمر ۸۰ کے لگ بھگ تھی۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد ۔۔۔ امیدم بہ یکبارہ برباد شد

سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اگر شاہنامہ کی تکمیل سنہ ۴۰۰ھ میں مانی جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ اس سلسلہ میں فردوسی نے کل بارہ سال یا اس سے بھی کم کام کیا یعنی سلطان محمود کی تخت نشینی کے بعد غزنین آکر سنہ ۳۸۷ھ یا اس کے بعد شاہنامہ لکھنا شروع کیا اور سنہ ۴۰۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا دیا۔ لیکن اس موضوع پر نہایت واضح طور پر فردوسی کا بیان موجود ہے۔

بسے رنج بردم درین سال سی ۔۔۔ عجم زندہ کردم بدین پارسی

یعنی تیس سال خون جگر پینے کے بعد یہ لعل گراں بہا ہاتھ آیا ہے۔ اور تیس سال محنت کی مشق کرنے کے بعد تاریخ عجم میں نئی روح پھونکی جاسکی ہے۔ اس حساب سے شاہنامہ کی ابتدا ادھی سنہ ۳۷۰ھ میں قرار پاتی ہے کہ جو اس سے قبل بیان کی جاچکی ہے اور سلطان محمود کے دربار میں پہنچکر یا اس کی فرمائش پر شاہنامہ شروع کرنے کی کہانی بے بنیاد ٹھہرتی ہے۔ ایک اور موقع پر فردوسی نے شاہنامہ کو اپنی ۳۵ سال کی محنت کا ثمر اور امیدوں کا حاصل بتایا ہے۔

سی و پنج سال از سرائے سپنج ۔۔۔ بسے رنج بردم بامید گنج

چو بر باد دادند گنج مرا   نبد حاصلی سی و پنج مرا

ان اشعار کے تلمبند کرتے وقت غالباً فردوسی کے ذہن میں اس رات کا دلکش سماں تھا کہ جب اسنے اپنی بیوی کی فرمائش پر ۳۶۵ھ میں غیر ارادی طور پر شاہنامہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور جس کے پانچ سال بعد ۳۷۰ھ میں باقاعدہ طور پر شاہنامہ نظم کرنا شروع کیا تھا۔ بعد ۳۰-۳۵ سال عرق ریزی و جگر کاوی کے بعد ۸۰ سال کی عمر میں ۴۰۰ھ میں مکمل کیا تھا۔ شاہنامہ کی ابتدا تمیر و تکمیل میں فی الحقیقت سلطان محمود کی فرمائش کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ فردوسی سلطان محمود کے دربار میں بہت کچھ امیدیں لے کر آیا تھا۔ لیکن وہ سب کچھ زیادہ بار آور نہ ہو سکیں بلکہ دل ہی دل میں رہ گئیں اور بظاہر پیاسا ساحل سے تشنہ کام ہی واپس گیا

شاہنامہ کے ماخذ

اب سوال یہ ہے کہ فردوسی کو ۳۰-۳۵ سال محنت کرنے اور ساٹھ ہزار اشعار لکھنے کیلئے مواد کہاں سے فراہم ہوا اور شاہنامہ کے ماخذ کون کون سی کتابیں یا قدیم تاریخیں ہیں جو اس وقت دستیاب ہو سکتی تھیں۔ چونکہ اس سلسلہ میں دقیقی بھی کچھ کام کر چکا تھا اور تقریباً ایک ہزار اشعار لکھنے کے بعد آفت ناگہانی کا شکار ہو گیا تھا لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دقیقی کے شاہنامہ کے ماخذوں پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

علامہ شبلی کا خیال ہے کہ جب دقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی فارسی میں تیار ہو چکا تھا۔ دقیقی نے

---

[۱] شعر العجم حصہ اول صفحہ ۹۷ - ۹۸

سامانیوں کی فرمائش سے یہ کام شروع کیا تھا۔ سامانیوں کا کتب خانہ اس
زمانہ میں تمام عالم میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ بو علی سینا جب اول اول
اس کتب خانہ میں داخل ہوا تو اس پر حیرت چھا گئی۔ چنانچہ اس نے اقرار
کیا کہ میں نے اتنا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا
نہ اسکے بعد کبھی دیکھا۔ دقیقی کے لیے یہ تمام ذخیرہ فراہم کیا گیا ہوگا اور چونکہ سلطان
محمود غزنوی سامانیوں ہی کا دست پروردہ اور ان کو مٹا کر ان کا جانشین بنا تھا۔
اس لئے ہر طرح قرین قیاس ہے کہ وہ سب سامان محمود کے ہاتھ آیا ہوگا اور فردوسی
کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا ہوگا۔"[۱]

پروفیسر شیرانی علامہ شبلی کے اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ
تاریخی حوالان دیں اور باوثوق حوالے دینے کے بعد دقیقی کی اس کوشش کو سامانیوں
کی علمی فتوحات سے خارج سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "شاہنامہ
ابوالفضل بلعمی کے حکم سے دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا" نہ کہ سامانیوں
کے ایما سے۔

"ڈاکٹر براؤن، پروفیسر نولدکی نیز دیگر یورپین[۲] محققین کا خیال ہے کہ دقیقی
کا شاہنامہ اس تاریخ قدیم کی بنا پر لکھنا شروع کیا گیا تھا جو سنہ ۳۴۶ھ میں
ابو منصور العمری کی زیر نگرانی مختلف مقامات سے جمع کی گئی تھی۔"

بہر حال کچھ معتبر اور قدیم تواریخ ایران یقیناً دقیقی کے پیش نظر تھیں مگر
جن کے بیانات پر دقیقی نے اپنے شاہنامہ کی بنیادیں رکھیں۔ اور کام کو ایک ہزار
شعر تک پہنچایا۔ فردوسی نے جب شاہنامہ نظم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت

۱؎ تنقید شعر العجم صفحہ ۹۴

۲؎ لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن صفحہ جلد اول صفحہ ۱۲۳

دقیقی کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی۔ کیونکہ ابھی اسکی وفات کو صرف ۲۹ - ۳۰ سال ہی گزرے تھے۔ فردوسی نے دقیقی کے اشعار کو پیش نظر رکھ کر کام شروع کیا اور اس ہی کے قدیم ماخذوں کو اپنا ماخذ بھی قرار دیا۔

شاہنامہ کے قدیم ترین ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا کہنا یہ ہے کہ "قدیم تاریخ ایران پریشان ورقی اور بے ترتیبی کی حالت میں مختلف مقامات پر منتشر تھی۔ اسکی کچھ داستانیں موبدوں یعنی مذہبی پیشواؤں کے پاس پائی جاتی تھیں اور کچھ پرانے لوگوں کو زبانی یاد تھیں۔ آخر ایک فیاض رئیس نے قومی مفاد اور قدیم سرمایہ کو محفوظ کرنے کی خاطر جگہ جگہ سے پرانے لوگوں اور سال خوردہ موبدوں کو بلوا کر جمع کیا اور ان تمام متفرق قصوں اور زبانی روایتوں کو ترتیب دے کر باقاعدہ تاریخ کی شکل میں جمع کیا۔ یہ تالیف مکمل ہو کر دفتر باستان کے نام سے مشہور ہوئی اور شاہنامہ کا اولین ماخذ بنی۔"

یکے نامہ بود از گہ باستان ۔۔۔ فراوان بدو اندرون داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے ۔۔۔ ازو بہرہ بردہ ہر بخردے
یکے پہلواں بود دہقان نژاد ۔۔۔ دلیر و بزرگ و خردمند و راد
ز ہر کشورے موبدے سالخورد ۔۔۔ بیاورد و ایں نامہ را گرد کرد

یہ تاریخ قدیم بقول فردوسی اس کے شاہنامہ سے دو ہزار سال پہلے ترتیب دی گئی تھی۔

گذشتہ برو سالیان دو ہزار ۔۔۔ گر ایدون کہ برتر نیاید شمار

جو شاہنامہ لکھنے کے وقت سے پہلے ہی پھر اسی طرح متفرق داستانوں کی شکل میں بکھر گئی تھی۔ قومی افتخار اور تاریخ قدیم کی ترتیب کے اشتیاق

نے دلوں میں جب پھر جوش مارا تو ابومنصور عبدالرزاق حاکم طوس کے حکم سے ۳۴۶ھ میں ابومنصور المعمری کی زیر نگرانی اس کی تالیف کا کام بہتر شروع کیا گیا۔ آخر یہ اجزائے پریشان یکجا ہو کر خزینہ کی شکل میں دستیاب ہونے لگے۔ دقیقی نے اسی تاریخ قدیم کی بنا پر شاہنامہ نظم کرنا شروع کیا۔ لیکن فردوسی کو یہ نسخہ بھی بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔ وہ اس تاریخ قدیم کے قابل اعتبار نسخہ کی تلاش میں وطن سے نکل کر بخارا پہونچا ہرات گیا۔ مرو میں کچھ دن ٹھہرا۔ بلخ پہونچکر اس کو تلاش کیا۔ اور مختلف لوگوں سے جہاں کہیں جو واقعہ معلوم ہوا یا جو روایت بہم پہونچی جمع کرتا گیا۔ تاکہ کام کی جلد از جلد تکمیل ہو سکے۔ اور قابل اعتبار مواد ہاتھ لگ سکے۔

بپرسیدم از ہر یکے بے شمار   بترسیدم از گردش روزگار

اس کو اندیشہ تھا کہ ملکی بدانتظامی۔ انقلاب کا زور اور زمانہ کی ستم شعاری اس کی حسرتوں پر پانی نہ پھیر دے اور وہ نامراد ہی نہ رہ جائے۔

زمانہ سراسر پراز جنگ بود   بجویندگان بر جہاں تنگ بود

سیاسی شورش اور بدامنی کے علاوہ اس کو اپنی ناداری اور مفلسی کا بھی ڈر تھا اس کی عمر پچاس سے اوپر ہو چکی تھی اس لئے یہ بھی فکر تھی کہ کہیں زندگی مستعار دھوکہ نہ دے جائے اور کام ادھورا رہ جائے۔ ابھی دوڑ دھوپ میں خوش قسمتی سے فردوسی کی ملاقات ایک صاحب محمد لشکری سے ہو گئی انھوں نے اس تاریخ قدیم کا مکمل نسخہ اپنے پاس سے لاکر فردوسی کو بخشدیا۔ اور اس طرح معتبر ماخذ کی مہم فتح ہو گئی اور کام میں آسانی نظر آنے لگی۔ مالی پریشانیوں کے سلسلہ میں منصور بن محمد حاکم کی نہایت بروقت امداد کی جو اسکے بڑے کام آئی۔

زندہ نہ رہ سکا پھر بھی وہ فردوسی کو اس کٹھن مرحلہ پہ ڈال گیا کہ جس نے مطمئن کر کے
ہمت بلند ہادی اور فردوسی شب و روز شاہنامہ پر کام کرنے میں لگ گیا۔
منصور بن محمد کے علاوہ جن دیگر اہل ثروت حضرات نے فردوسی کی قدر
کی ان میں حسین قتیب۔ علی دیلم۔ بودلف اور سلطان محمود کے وزیر اول خواجہ ابوالعباس
فضل بن احمد اسفرائینی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس سرپرستی
اور کفالت نے بڑا کام کیا اور فردوسی کو بیس سال شاہنامہ نظم کرنے پر ہمہ تن
متوجہ رکھا۔ جب ۳۸۸ھ میں سلطان محمود تخت نشین ہوا تو فردوسی اس کی
ادب نوازی اور علم پروری کی شہرت سے متاثر ہو کر اس سرمایہ حیات کو لیکر
اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دربار شاہی سے متعلق رہ کر ۴۰۰ھ تک
اس کو مکمل کر دکھایا۔ خیال یہ ہے کہ فردوسی کے غزنین آنے کے بعد ۳۹۴ھ
تک اسکے تعلقات سلطان محمود سے خوش گوار رہے اسکے بعد فردوسی اور
سلطان محمود کا کوئی خاص واسطہ یا تعلق نہیں رہا لیکن مزید چھ سال شاہنامہ
پر کام جاری رہا اور ساٹھ ہزار اشعار پورے ہونے پر یہ کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہونچا۔

بود بیت شش بار بیور ہزار — سخن ہائے شائستہ غم گسار

پہلی داستان

اس سلسلہ میں کہ سب سے پہلے شاہنامہ کی کون سی داستان نظم کی گئی مختلف روایتیں ہیں۔ شبلی کا خیال ہے کہ داستان "رستم و سہراب" سب سے پہلے نظم کی گئی۔ دیباچہ کے
...ک سب سے پہلی داستان جو غزنین پہنچکر نظم کی گئی اور سلطان محمود
...ت میں پیش کی گئی وہ "داستان رستم و اسفندیار" ہے۔
... داستان سیاوش" کو پہلی داستان بتاتا ہے لیکن
...سے پہلی داستان جو سلطان محمود کی خدمت میں

گزرانی گئی وہ "داستان جنگ کیخسرو" ہے۔ بہرحال باقاعدہ شاہنامہ شروع ہونے پر جو داستان سب سے پہلے لکھی گئی اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ سلطان محمود کو جو داستان سب سے پہلے نظم کر کے پیش کی گئی وہ "داستان جنگ کیخسرو" ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق خود فردوسی کا قول فیصل موجود ہے۔ البتہ اگر شاہنامہ کی داغ بیل کے لحاظ سے بالکل ابتدائی داستان کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے تو سب سے پہلی چیز "داستان بیژن" ہی قرار پائے گی جس کی تفصیل اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے۔

دربار محمود میں پہلے پہل رسائی

دربار محمود میں فردوسی کب پہونچا اور کس طرح پہونچا اس کے متعلق بھی مختلف بیانات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک[1] مشاعرہ کے سلسلہ میں سخن سنجان وقت ایک باغ میں جمع تھے۔ فردوسی بھی وہاں آنکلا۔ فی البدیہہ شعر گوئی ہوئی۔ اور فردوسی کے جوہر ذاتی اس مجمع شعراء میں چمک اٹھے۔ عنصری کو خاص طور پر اس کی طرف توجہ ہوئی اور اسی کی وساطت سے وہ سلطان محمود کے دربار تک جا پہونچا۔ وہاں اس کی کافی قدردانی ہوئی اور شاہنامہ کی تکمیل کی خدمت پر مامور ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان[2] محمود کے ندیموں میں ایک شخص ماہک نامی تھا۔ فردوسی اس کے توسل سے دربار میں پہونچا۔ وہاں ایاز کے سبزۂ خط کے متعلق بدیہہ گوئی کی فرمائش ہوئی اور اس امتحان میں کامیاب

---

[1] تذکرہ دولت شاہ۔ شبلی و براؤن۔

[2] شعر العجم شبلی حصہ اول صفحہ ،،

ہونے کے بعد شاہی ارباب علم و فضل میں شامل کر لیا گیا۔ آخر شاہی ادب نوازیوں یا کم از کم خوش آیند امیدوں نے بہت جلد فردوسی کا شاہنامہ مکمل کرا دیا اور اس نے وہ سب دُرِ منثور جو مختلف صحائف قدیمی، منتخبات ذاتی، ذخیرہ ہائے ادبی اور تالیفات ملی میں منتشر پائے جاتے تھے سلک نظم میں ترتیب کے ساتھ پرو دیئے اور ایرانیوں بالخصوص کیانیوں اور ساسانیوں کی بزم آرائیوں سے ہمیشہ کے لیے محفل علم و ادب کو پر رونق بنا دیا۔

زابیات عزا دوده سی هزار — مر آن جمله در شیوهٔ کارزار

بجو عیسے من این مردگان را تمام — سراسر همه زنده کردم بنام

محنت کا صلہ اس تمام محنت، عرق ریزی اور جانفشانی کے بعد بقول شبلی "واقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا"۔ اس ناقدردانی کے اسباب کیا تھے۔ اس کی بھی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کسی نے مذہبی تعصب کو بنیادی سبب قرار دیا ہے اور کسی نے فردوسی کی ہجو پسندی کو۔ کسی نے ذاتی افتخار اور شرافت نسبی کو جس کے متعلق اس نے اپنی تصنیف میں جا بجا اشارہ کیا اور خاندانی اعتبار سے اپنے آپ کو بہت بلند بتایا ہے۔ کسی نے ان سب واقعات سے یک قلم انکار ہی کر دیا ہے اور نہ محمود کے انعام دینے کے وعدے کو سچا مانا ہے اور نہ فردوسی کے اس قدر متوقع ہونے اور ناامیدی کی صورت میں ہجو لکھنے اور شہر بشہر مارے مارے پھرنے کو۔

ا؎ شعر العجم حصہ اول صفحہ ۸۳

علامہ شبلی نے سلطان محمود کی وعدہ خلافی اور فردوسی کی ہجو گوئی کے واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کئے ہیں جو تاریخی حیثیت سے نہ سہی کم از کم ادبی حیثیت سے ضرور پڑھنے کے لائق ہیں۔ اگرچہ فردوسی حسب دلخواہ اپنے شاہکار کا صلہ نہ پا سکا لیکن کہتے ہیں کہ اسکے مرنے کے بعد سلطان محمود نے اسکی بیٹی کو پورا صلہ بھجوایا۔ اور جب بیٹی نے اس رقم کے لینے سے انکار کردیا کہ جس روپیہ نے اسکے باپ کے ساتھ وفا نہ کی۔ وہ کسی اور کے ساتھ کیا وفا کرے گا تو سلطان محمود نے اسی رقم سے فردوسی کے وطن ہی میں ایک کاروانسرائے بنوادی جس کے متعلق ”ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے... کہ سنہ ۴۳۰ھ میں جب وہ طوس میں پہونچا تو ایک کاروانسرا دیکھی لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ اس کا نام چاہہ ہے اور مرو اور نیشاپور کے راستہ میں ہے“[1]

پرستار زادہ نیاید بکار

فردوسی اور ہجو محمود

سلطان محمود کی وعدہ خلافی اور اس کا قدرتی ردعمل یعنی فردوسی کا بڑھا کر محمود کی ہجو لکھنا اب تک یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط۔ ویسے تو اب تک ہر شخص اس قصہ پر اعتبار کرتا چلا آیا ہے۔ لیکن حافظ محمود شیرانی کی تحقیقات نے اس کو بھی داستان یا نتیجہ خیال آرائی قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فردوسی ایک بلند حوصلہ اور عالی ظرف انسان تھا۔ اگرچہ سلطان کی

---

[1] شعر العجم حصہ اول صفحہ ۵۹

ناقدردانی نے اس کا دل پاش پاش کر دیا ہوگا۔ تاہم کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ہجو لکھ کر انتقام لینے کے ناقابل تھا۔ اور بفرض محال اگر فردوسی نے فی نفس الامر میں کوئی ہجو لکھی تھی تو وہ فوراً برباد کر دی گئی اور ضایع شدہ ہجو کا اب ایک شعر بھی ہمارے پاس نہیں۔"

اس موضوع پر مختلف راویوں کے مختلف بیانات مختصراً درج ذیل ہیں۔

دیباچہ قدیم شاہنامہ[2] کا بیان ہے کہ عنصری کی معرفت فردوسی دربار محمود میں پہونچا۔ شاہنامہ نظم کرنے کی خدمت پر مامور ہوا۔ امتحاناً پہلے داستان سیاوش نظم کی۔ محمود کو پسند آئی اور فی شعر ایک دینار زر کی معاوضہ کا حکم ہوا۔ ۴ سال میں فردوسی نے شاہنامہ مکمل کر دیا۔ لیکن مذہبی اختلاف اور شاہنامہ میں جا بجا اسکے اظہار پر سلطان برہم ہو گیا پھر بھی عنصری وغیرہ کی سفارش پر معاف کر دیا گیا۔ انعام دینے کے وقت سلطان کے وبیر ابو سہل ہمدانی کے عرض کرنے پر بجائے سونے کے سکے کے چاندی کے سکے اس کو بھجوائے گئے۔ فردوسی اس وقت حمام میں تھا۔ نکل کر بیس ہزار حمامی کو۔ بیس ہزار فقاعی کو اور بیس ہزار انعام لانے والوں کو بخش دیئے اور دو تین بیت لکھ کر ایاز کے سپرد کر کے روپوش ہو گیا جب وہ کاغذ محمود کے سامنے پیش ہوا تو وہ بحد متغیر ہوا۔ گرفتاری کا حکم دے دیا اور ہاتھ نہ آنے پر وزیروں اور دوسروں پر غصہ اتارا اور ان کو موقوف اور شہر بدر کر دیا۔

---

[1] فردوسی پر چار مقالے۔ مصنفہ شیرانی۔ صفحہ ۸۹

[2] ماخوذ از فردوسی پر چار مقالے مصنفہ شیرانی

چار مقالہ نظامی عروضی کا کہنا ہے کہ شاہنامہ طوس میں مکمل ہو کر خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی کی وساطت سے دربار سلطانی میں پہونچا لیکن خواجہ کے دشمنوں نے دراندازی کر کے اور فردوسی کو رافضی اور معتزلی ثابت کر کے سلطان کو صرف پچاس ہزار درم عطیہ دینے پر راضی کر لیا۔ یہ انعام فردوسی نے حمامی اور فقاعی میں تقسیم کر دیا۔ اور سیاست سلطانی سے خائف ہو کر راتوں رات غزنیں سے فرار ہو گیا۔ طبرستان پہونچکر سلطان کی ہجو میں اس نے سو بیت لکھے۔ اور شہریار والی طبرستان کے نام شاہنامہ منسوب کرنا چاہا۔ لیکن اس نے شاہنامہ محمود ہی کے نام رہنے دینے کا مشورہ دیا اور ان کی ہجو ایک لاکھ درہم میں خود خرید لی۔ اس طرح ہجو دھل گئی صرف بیت منجملہ اس کے باقی رہ گئے۔

مندرجہ بالا بیانات نیز دیگر مختلف روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ شبلی کی تدقیق و تحقیق کے نتائج حسب ذیل ہیں۔

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے کہ فردوسی کو اس کی اعجاز بیانی کی داد نہیں ملی یعنی شاہنامہ جب تیار ہوا تو اس کو اشرفیوں کے بجائے روپے دلوائے گئے۔ یہ واقعہ عموماً مسلم ہے۔ لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے ہیں اور سب باہم متناقض ہیں۔

دولت شاہ اور نظامی عروضی یہ کہتے ہیں کہ مذہبی اختلاف کی بناء پر محمود کی طرف سے بے اعتنائی کے اسباب پیدا ہو گئے۔ دیباچہ نویسوں کا خیال ہے کہ فردوسی کو چونکہ شرافت نسب پر بہت ناز تھا اس وجہ سے

لہ ماخوذ از شعر العجم شبلی۔ حصہ اول صفحہ ۸۱ - ۸۸

محمود کی نظروں سے گر گیا۔ مذہبی اختلاف کی وجہ سے محمود کی طرف سے قدردانی میں کمی قرین عقل نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ محمود کے دربار میں بہت سے شیعی علماء و فضلا موجود تھے اور یہی نہیں بلکہ ہندو۔ عیسائی۔ یہودی نیز دیگر مذہب و ملت کے اہل کمال کی بھی قدر کی جاتی تھی۔

غالباً بات یہ تھی کہ سلطان محمود کو دیلمی خاندان سے سخت عداوت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متعصب شیعہ تھے اس خاندان کا تاجدار فخر الدولہ تھا۔ وہ فردوسی کا نہایت قدردان تھا۔ جب فردوسی نے "رستم و اسفندیار" کی داستان نظم کی تو اس نے صلہ کے طور پر ہزار اشرفیاں بھیجیں اور لکھا کہ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو نہایت اعزاز و احترام کیا جائیگا۔ یہ خبر تمام غزنین میں پھیل گئی محمود نے سنا تو اس کو ناگوار گزرا۔[1]

بہر حال وجہ کچھ بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا۔ فردوسی حمام میں نہا رہا تھا کہ شاہنامہ کا صلہ پہونچا فردوسی حمام سے نکلا تو ایاز نے روپیہ کی تھیلیاں پیش کیں۔ فردوسی نے بڑی بیتابی سے دست شوق بڑھایا۔ لیکن سونے کے پھول کے بجائے چاندی کے پھول تھے۔ فردوسی کے دل سے بیساختہ آہ نکلی تھیلیاں کھڑے کھڑے لٹا دیں اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ "میں نے خون جگر ان سفید دانوں کے لیے نہیں کھایا تھا" ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی۔ محمود نے حسن میمندی (غالباً شبلی کا مقصد

---

[1] شیرانی کا خیال ہے کہ داستان رستم و اسفندیار فردوسی کے غزنین پہنچنے کے بعد غزنین ہی میں لکھی گئی لہذا فخر الدولہ کا فردوسی کو انعام بھیجنے کا قصہ بے بنیاد ہے۔
(تنقید شعر العجم صفحہ ۱۱۱)

احمد بن حسن میمندی سے ہے) کو بلا کر ناراضی ظاہر کی میمندی نے کہا۔ "حضور خاک کی ایک چٹکی بھیجدیتے تب بھی فردوسی کو آنکھوں سے لگاتا تھا۔ انعام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہے" اس چبھتے ہوئے فقرے نے محمود کے دل میں بھی اثر کیا اور برہم ہو کر کہا کہ کل میں اس کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤں گا۔ فردوسی کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا صبح کو محمود باغ میں آیا تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤں پر سر رکھدیا اور بدیہہ یہ اشعار پڑھے

چو در ملک سلطان کہ خوش ستود	بسے ہست ترستود گبر و یہود
گرفتند در ظل عدلش قرار	شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردوں شکوہ	رہے را شمارد یکے زان گروہ

سلطان محمود کو رحم آیا اور اس کی تقصیر معاف کردی۔

غزنین سے چلتے وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سربمہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے ۲۰ دن بعد بادشاہ کو دینا۔ فردوسی ہرات کو روانہ ہوا۔ محمود نے لفافہ کی مہر کھولی تو ہجو کے اشعار تھے۔

فردوسی جب غزنین سے نکلا تو اس بے سروسامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کے سوا کچھ پاس نہ تھا احباب اور قدردانوں کی کمی نہ تھی لیکن معتوب شاہی کو کون امداد یا پناہ دے سکتا تھا۔ تاہم ایاز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر کچھ نقدی اور کچھ سامان سفر بھجوادیا۔ فردوسی ہرات سے طوس اور وہاں سے قہستان گیا۔ شاہی جاسوس اس کو ڈھونڈتے پھرے لیکن پتہ نہ لگا سکے۔ قہستان

کے حاکم ناصر لک نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور فردوسی کی مثنوی جو محمود کی بدعہدی کے متعلق تھی ایک لاکھ روپیہ میں اس سے خرید لی اور سلطان محمود کو فردوسی کی سفارش لکھی[له] - لیکن خود محمود کے ڈر سے اپنے پاس زیادہ ٹھہرا نہ سکا فردوسی وہاں سے ماژندران آیا اور وہاں سے بغداد گیا - غرضکہ اسی طرح وہ جگہ جگہ مارا مارا گھومتا پھرا - کہیں سکون کی زندگی نظر نہ آئی - اور ہر جگہ شاہی جاسوس پیچھا کرتے دکھائی دیئے -

ایک دفعہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا راستہ میں دشمن کا قلعہ تھا - وہیں ٹھہر گیا اور قاصد بھیجا کہ حاضر خدمت ہو کر اطاعت بجالائے - دوسرے دن قاصد جواب لایا - لیکن ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ محمود نے وزیر اعظم سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہے - وزیر نے برجستہ کہا -

اگر جز بکام من آمد جواب   من و گرز و میدان و افراسیاب

محمود پھڑک اٹھا اور پوچھا کس کا شعر ہے - وزیر نے کہا کہ اس بدقسمت کا جس نے ۱۵ برس خون جگر کھایا اور کچھ حاصل نہ ہوا محمود نے کہا مجھ کو سخت ندامت ہے - غزنیں پہنچکر یاد دلانا - غرض کہ پایہ تخت میں پہنچکر ۶۰ ہزار

له بحوالہ شاہنامہ، داستان خسرو شیریں، پروفیسر شیرانی کو علامہ شبلی کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے - ان کا کہنا ہے کہ فردوسی محمود سے نا امید ہونے کے بعد سجستان یا خراسان امیر ابو المظفر نصر بن ناصر الدین سبکتگین کے پاس چلا گیا جو سلطان محمود کا بھائی تھا اور شاہنامہ اس کی خدمت میں پیش کر کے صلہ طلب کیا - نیز یہ التجا کی کہ وہ سلطان محمود سے اس کی سفارش بھی کر دے (تنقید شعر العجم صفحہ ۱۴۲)

اشرفیاں فردوسی کے پاس بھیجیں لیکن تقدیر پر کس کا زور ہے۔ ادھر شہر کے ایک دروازے سے جس کا نام رودبار تھا صلہ پہونچا۔ اُدھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میر یاد آئی مرے عیسے کو دوا میرے بعد"

یہاں تک تو تھے شبلی کے خیالات اب ہجو محمود کے متعلق مختصر طور پر شیرانی کے خیالات بھی سن لیجئے۔

"ہمارا مشرقی مذاق انتہا پسند واقع ہوا ہے عطریات میں ہم تیز بو والے عطر پسند کرتے ہیں۔ کھانوں میں چٹ پٹی یا کثرت سے شیریں اشیا ہمیں مرغوب ہیں۔ لباس میں بھڑک جائز سمجھتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ بھی وہی پسند کرتے ہیں جس میں قصہ بھی ہوں۔ اس کی کبھی پروا نہیں کرتے کہ یہ افسانہ ہے یا واقعہ۔ شبلی نے ملکی مذاق کی تبعیت میں فردوسی کے حالات قلمبند کرتے وقت اسی قسم کے ذرائع تلاش کئے جو ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ہوں۔ اور اس قسم کے قصے دیباچہ بایسنغری سے بہتر ان کو کہیں اور نہیں مل سکتے تھے۔[1]

"موجودہ ہجو دیباچہ بایسنغری (تالیف ۸۲۹ھ) کے عہد سے چلتی ہے اور دیباچہ نگار زیادہ تر اس کا ذمہ دار ہے اس کی تیاری کے لیئے بڑا حصہ شاہنامہ سے لیا گیا ہے۔ اسکے بعد گرشاسپ نامہ۔ بہمن نامہ نیز دیگر نامعلوم ذرائع سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔ پھر اس کالائے وزدیدہ کو مسلسل نظم کی شکل میں ترتیب دینے کے واسطے جدید اشعار حسب موقع

---

[1] تنقید شعر العجم۔ حافظ محمود شیرانی۔ صفحہ ۸۴

[2] تنقید شعر العجم۔ شیرانی۔ صفحہ ۱۱۶

وضرورت لکھ کر داخل کیے گئے۔ اس طرح سو شعر کی یہ ہجو تیار ہو گئی۔ ورنہ دیباچہ بالسینغری سے قبل کے شاہناموں میں ہجو کے اشعار نہایت کم تعداد میں ملتے ہیں۔"

شاہنامہ نظم کرنے سے قومی اور ملی وقار و روایات کو محفوظ کرنے کے علاوہ فردوسی کا یقینی یہ مقصد بھی تھا کہ شاہنامہ کا صلہ ضعیفی اور تنگ دستی میں اسکے کام آئے گا۔ اور بڑھاپا اطمینان و فارغ البالی میں گزر جائے گا۔ نیز بقیہ رقم اس کی لڑکی کے لیے اندوختہ کا کام دے گی اور فردوسی کے بعد پس ماندگان کی زندگی کا سہارا بنے گی۔

به پیوستم این نامه باستان   پسندیده از دفتر راستان
که تا روز پیری مرا بر دهد   بزرگی و دینار و افسر دهد

لیکن محمود کے یہاں سے مایوس اور ہونے کی وجہ سے اس کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں لیکن واقعہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سائل منعم سے اور تشنہ دریا سے قطعاً محروم گیا۔ داستان خسرو پرویز و شیریں میں اسی حادثہ کی طرف اشارہ ملتا ہے اور فردوسی اپنی بدقسمتی اور حاسدوں کی بدگوئی کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے تقدیر پر شاکر نظر آتا ہے۔

چنین شهریارے و بخشنده   بگیتی ز شاهان درخشنده
نکرد اندرین داستانها نگاه   ز بدگوئے و بخت بد آمد گناه
حسد برد بدگوئے در کار من   تبه شد بر شاه بازار من

فردوسی جب غزنین سے نا امیدی اور مایوسی کے عالم میں روانہ ہوا تھا تو کہا جاتا ہے کہ جامع مسجد کی دیوار پر چند اشعار لکھ آیا تھا۔ جو حقیقت میں اسکے دلی جذبات کے سچے ترجمان معلوم ہوتے ہیں اور جن کے متعلق مشہور ہے کہ نماز جمعہ کے موقع پر جب ان اشعار پر سلطان محمود کی نظر پڑی تو اس کو

فردوسی کے ساتھ زیادتی کرنے اور اس کی علمی کاوشوں کی ناقدردانی کرنے
کا سخت افسوس ہوا۔ اشعار حسب ذیل ہیں۔

حکیم گفت کسے را کہ بخت والا نیست — بہ ہیچ وجہ مراد وراز مانہ جویا نیست
بود مجاور دریا نشین مگر روزے — بود ستت افسد درے کجاش ہمتا نیست
خجستہ درگہ محمود زابلی دریا ست — کدام دریا کانرا کرانہ پیدا نیست
شدم بدریا غوطہ زدم ندیدم در — گناہ بخت من است این گناہ دریا نیست

ان سب مختلف فیہ اور متناقض روایات سے بظاہر نتیجہ یہ نکلتا ہے
کہ فردوسی "اپنی شہرت[1] اور مالی منفعت کی امید میں شاہنامہ کی نظم پر مستعد ہوا۔ اور
سلطان محمود کی تخت نشینی سے پہلے بیس سال تک اس پر کام کرتا رہا۔ اس کی
تاجپوشی کے وقت غزنین آیا۔ جہاں چھ سال رہ کر (سنہ ۳۸۸ھ تا سنہ ۳۹۴ھ)
اس نے شاہنامہ تقریباً ختم کر دیا۔ ابتداً میں حالات سازگار تھے۔ آخر میں دشمنوں
کی بدگوئی کی وجہ سے سلطان کے دربار سے قطعاً محروم گیا۔ محمود کو شاہنامہ سے
کوئی دلچسپی نہ تھی۔ نہ اس نے اس کی نظم کا حکم دیا۔ وہ قدردانی کی امید میں آیا
تھا۔ اس امید میں اس کو ناکامی ہوئی۔ اس کی تین پینتیس سال کی محنت کا اکارت
جانا شاعر کی زندگی کا تلخ ترین واقعہ ہے۔ مگر سلطان کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا
جا سکتا۔ خود فردوسی اس نامرادی کو اپنی بدنصیبی پر محمول کرتا ہے۔ یہ ناقدردانی ہجو
کے واسطے وجہ جواز نہیں بنائی جا سکتی[2]"۔

اس ناقدردانی کے بعد فردوسی کی مختلف درباروں میں دوڑ دھوپ کا قصہ بھی
کچھ یوں ہی سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک "اسی برس کا پیر فرتوت بڑھاپے سے

---

[1] فردوسی پر چار مقالے از حافظ محمود شیرانی صفحہ ۳۸
[2] فردوسی پر چار مقالے از شیرانی صفحہ ۳۹

جس کی کردھری کر دی ہے ۔ آنکھوں سے جس کو بہت کم دکھائی دیتا ہے کانوں سے ترسٹھویں برس بہرا ہو گیا تھا جس کے اعضا میں رعشہ غلبہ پا چکا تھا ۔ جو عصا کی مساعدت کے بغیر ایک قدم بھی حرکت نہیں کر سکتا تھا ، کہاں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا اور شاہی تعاقب سے محفوظ و مامون رہ سکتا تھا مزید برآں فردوسی طبعاً ایسا اوچھا نہ تھا کہ ذرا سی بات پر ہجو لکھنے بیٹھ جاتا اور سلطان محمود اتنا کم ظرف نہ تھا کہ محض مذہبی اختلاف یا نسبی افتخار کی بنا پر مستحقین کو ان کے حقوق سے محروم کر دیتا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آج تک یہ قطعی طور پر طے نہ ہو سکا کہ فردوسی شیعہ تھا یا سنی ۔ اسکے کلام میں مختلف مواقع پر ایسے فلسفیانہ مسائل اور صوفیانہ عقاید کے تذکرے ملتے ہیں کہ جو اسکے شیعہ ہونے کو مشتبہ بنا دیتے ہیں ۔ تنگ نظری اس سے کوسوں دور نظر آتی ہے اور وہ صرف ایمان و ایرانیت کا دلدادہ اور اسلام کا فدائی دکھائی دیتا ہے ۔

ہجو محمود اب تک جتنے اشعار سلطان محمود کی ہجو کے نام سے منسوب و مشہور ہوئے ہیں ان کی مجموعی تعداد دو سو کے قریب پہونچتی ہے ۔ جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے ان میں زیادہ تر تو شاہنامہ ہی کے اشعار ہیں جو فردوسی نے مختلف مواقع پر کہے تھے لیکن ہجو جمع کرنے والوں نے اپنے مفید مطلب اور برمحل دیکھ کر یکجا کر لیئے ۔ کچھ اشعار ایسے ہیں کہ مختلف اشعار کو باہم ربط دینے اور خیال کو مسلسل بنانے کے لیئے حسب ضرورت خود کہہ لیئے گئے ہیں ۔ کچھ دیگر کتب سے منقول ہیں اور ایسے چسپاں کیئے گئے ہیں کہ موضوع معلوم ہی نہیں ہوتے ہیں ۔ حقیقت کچھ بھی ہو بہرحال ، ہجو محمود بھی اب اپنی جگہ پر ایک ادبی مقام رکھتی ہے اور مطالعہ کے لائق ہے ۔ لہذا کچھ منتخب اشعار ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں ۔

میں کچھ لسانی غرابت اور اجنبیت آگئی ہے بوقت مطالعہ جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ صحیح احساسات اور دلی جذبات کے سمجھنے میں دقت نہ پیش آئے اور بآسانی کہنے والے کے مافی الضمیر کا اندازہ لگایا جا سکے۔ بخیال سہولیت کچھ الفاظ بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

۱ - اسم کے آخر میں الف زائد۔ — نو بہارا آمد و بشگفت گل دیا سمنا

۲ - فعل کے آخر میں الف زائد۔ — بہ ہمی روز گیتی بہ پیما ئدا

۳ - "ب" سے پہلے الف زائد۔ — ابالشکر نا موری کینہ خواہ ذنیی بالشکر نامور

۴ - غیر جاندار چیزوں کی جمع الف ونون سے۔ — اگر عمر باشد مرا سالیاں (یعنی سالہا)

۵ - ضمیروں کی نادر ترکیب۔ — ز شادی رخاں شان چو گل بردمید (یعنی رخہائے شان)

۶ - فارسی الفاظ پر تشدید۔ — خوشّی - خّرہ - کرّشی

۷ - بعض دیگر زائد حروف۔ — چنین کے بجائے چونین - فرشتہ کے بجائے فریشتہ

۸ - متحرک بجائے ساکن اور ساکن بجائے متحرک۔ — بہ گویم ز مادرش وہم از پدرش

۹ - واؤ زائد — دیا بار رستم جنگ جو۔

۱۰ - کجا بمعنی کہ — کجا نام او بود گرد آفرید۔

۱۱ - ایدون بمعنی اکنوں چنین۔

۱۲ - بدآنسان نشان بمعنی ہماں طور

۱۳ - فرمان کردن بمعنی اطاعت کردن

۱۴ - کیمیا - بمعنی حیلہ - تدبیر
۱۵ - ویژہ بمعنی قدیم - خواص -
۱۶ - تنگ اندر آمدن - بمعنی نزدیک آمدن - وغیرہ وغیرہ -

۲ - مادی تشبیہات

زبان و بیان ہی کے سلسلہ میں شاہنامہ کی دوسری خصوصیت اس کی تشبیہات ہیں - فردوسی اکثر سیدھی سادی مادی اشیاء کی تشبیہات سے کام لیتا ہے اور لسانی شگافیوں اور تخیل کی بلند پروازیوں - نرم و نازک جذبات کی عکاسیوں اور تمثیل نگاروں سے زیادہ واسطہ نہیں رکھتا - وہ صاف سلیس اور سادی زبان میں واقعات و حالات بیان کرتا چلا جاتا ہے اور اپنے اردگرد کی چیزوں اور محض مادی اشیاء سے تشبیہ دیکر کلام میں وہ لطف اور بیان میں وہ دلکشی پیدا کر دیتا ہے کہ دوسروں کے یہاں اس کی مثال ملنا ناممکن ہے بعض اوقات معمولی الفاظ کی ترتیب اور جملوں کی نشست اعجاز سے کم حیثیت نہیں رکھتی کسی کے حسن کی تعریف میں یہ کہنا -

دو ابرو کماں و دو گیسو کمند ـــــ ببالا بکردار سرو بلند
لبان از طبرزد زبان از شکر ـــــ دہانش مکلل بدر و گہر

یا کسی نوجوان پہلوان کا سراپا ان الفاظ میں بیان کرنا -

ببالا ستارہ بساید ہمی ـــــ تنش را زمین بر نتابد ہمی

فردوسی ہی کا کام ہے - سب تشبیہات و استعارات مادی اور روزانہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والے ہیں لیکن بیان کی چستی اور طرزِ ادا کی بہ جستگی نے ایک طلسم بنا کر سامنے پیش کر دیا ہے اور وہ تصویر آنکھوں کے سامنے لا کر کھڑی کر دی ہے کہ ہزاروں عکاسیاں قربان - ڈاکٹر جانسن

نے ملٹن سے متعلق کہا تھا کہ "وہ فطرت انسانی کو مجموعی حیثیت سے جانتا تھا۔ اور مختلف اطوار و عادات کے تنوع اور دھوپ چھاؤں رنگوں کا اداشناس تھا۔ وہ جذبات انسانی کی متضاد کیفیات اور حیات بشری سے مختلف النوع تاثرات کا جاننے والا تھا۔" فردوسی کے متعلق بھی یہ قول ایک حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ حسن و عشق کی محفل آرائیوں، ناامیدیوں، مایوسیوں اور ناکامیوں کی کارفرمائیوں اور افکار و حوادث کی مکمل تر ذہنی تصویروں میں اپنا رنگ ضائع کرنا اور قلم مصور نقش رنگار دکھنا زیادہ مصلحت نہیں سمجھتا۔ اس کی نقاشیاں جلی قلم میں فن کاری کے بہترین نمونے پیش کرتی ہیں اور موشگافیوں سے زیادہ کام لینا پسند نہیں کرتی ہیں۔ اسکے یہاں لطیف و نازک جذبات کا شعور اپنی جگہ پر پوری طرح موجود ہے لیکن ان رقت خیزیوں اور نغمہ ریزیوں میں الجھ کر وہ اپنے رزمیہ انداز بیان کو غیر مؤثر اور بھدا نہیں بنانا چاہتا۔ لہذا ان پیچیدگیوں سے الگ ہی الگ رہتا ہے۔

سادہ بیانی کے اسباب

اس ارادی دامن کشی اور احتیاط میں کچھ غیر ارادی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اور فردوسی کی سادہ بیانی کے اسباب میں زبان کا بچپن اور سماجی زندگی کی سادگی خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ایران میں تمدنی شعور کا آغاز تھا۔ اور اجتماعی زندگی کی ابتدا۔ لہذا جذبات انسانی کی ترجمانی میں تخییل کی رنگ آمیزیاں زیادہ کام نہیں دیکھتی تھیں۔ علاوہ ازیں فردوسی ہر غیر ضروری تطویل سے دامن بچا کر چلنا چاہتا تھا۔ تاکہ عمر نا پائدار دھوکہ نہ دیجائے اور زمانہ کی سازگاری ناسازگاری میں تبدیل نہ ہو جائے۔ فردوسی نے جب شاہنامہ نظم کرنے کے لیے قلم اٹھایا تو اسکی عمر کم تقریباً پچاس

گزر چکے تھے۔ اتنا بڑا کام سامنے تھا۔ موت اور بڑھاپا سر پر کھڑے تھے۔ تاریخی مواد یکجا طور پر موجود نہ تھا فکر معاش کیطرف سے اطمینان کی شکل نہ تھی۔ ملک میں روزانہ انقلاب رونما ہوتا تھا۔ بے اطمینانی اور سرگردانی ہر وقت سر پر منڈلایا کرتی تھی۔ زندگی ہر قدم پر آنکھیں دکھاتی تھی۔ دقیقی کا حشر وہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً ایک ہزار شعر ہی لکھ کر زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ساری تمنائیں دل ہی میں رہ گئیں۔ فردوسی کو فکر تھی کہ جہاں تک جلد ہو سکے وہ اس کام کو مکمل کردے اور ذمہ داریوں کے بار گراں سے سبکدوش ہو جائے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر اس نے ہر اس تفصیل کو نظر انداز کیا کہ جس کی بدولت تاخیر و تطویل کا اندیشہ تھا۔

غرضکہ فردوسی کی سادہ بیانی کے اسباب میں مندرجہ بالا سب چیزیں شامل ہیں۔ شاہنامہ کی رزمیہ اہمیت اور موضوع کی تاریخی وسعت۔ زبان کا عنفوان اور مصالح وقتی کا اقتضا۔ برابر مصر تھا کہ کوئی غیر ضروری اجزاء شریک اشاعت نہ ہو جائیں اور کلام میں شاعرانہ خیال آرائی اور بے محل لفاظی راہ نہ پائے۔ لہذا مضمون آفرینی سے کنارہ کشی کرتے ہوئے فردوسی نے بیان مطلب ہی سے زیادہ واسطہ رکھا اور حسن و محبت کے معاملات نیز حزن و الم کے بیانات کے سلسلہ میں داخلی مصوری اور ذہنی ترجمانی کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوا اور یہ کام آنے والی نسلوں کے لیئے چھوڑ گیا۔

۳۔ متنوع اسلوب بیان

لیکن یہ کہنا کہ فردوسی مختلف واقعات کو ایک ہی قسم کے الفاظ اور ایک ہی سے اسلوب بیان میں پیش کر دیتا ہے اور تنوع یا فرق مراتب کا بالکل لحاظ نہیں رکھتا یا یہ کہ فردوسی

نفسیات انسانی کی عکاسی سے بالکل قاصر ہے محض غلط ہے ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ باوجود زبان کی قدامت کو قائم رکھنے اور مادی تشبیہات اور سادہ بیانی سے کام لینے کے اسکے ایک ایک لفظ میں گہرائیاں اور نازک ادائیاں موجود ہیں۔ وہ موقع محل پر جذبات انسانی کی ایسی سچی اور مکمل تصویریں کھینچتا ہے کہ بڑے بڑے محاکات نگار حیران رہ جائیں اور جواب پیش نہ کرسکیں۔

۴۔ مرقع نگاری

اس سلسلہ میں مرقع نگاری فردوسی کا خاص اسلوب بیان ہے۔ سمنگان کی سرحد پر شکار کھیلنے کے بعد رستم جب گورخر کا کباب لگاتا ہے اور سیر ہو کر کھاپی کر آرام کرنے لیٹتا ہے تو اس واقعہ کی تصویر فردوسی کے بیان دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک پہلوان اور رستم جیسے پہلوان کے کھانا کھانے کا مکمل نقشہ فردوسی کے مختصر الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

جو بریان شد از ہم بکندو بخورد ۔۔۔ ز مغز استخوانش برآورد گرد

فردوسی کو غالب کی طرح اگر چغتائی کا قلم مل جاتا تو نہ معلوم کتنے "مرقع" اور "نقش" تیار ہو جاتے۔ اور دنیا میں اپنی مثال ہوتے "از ہم بکند" کے مصورانہ اقتدار قابل غور ہیں۔ اور ہڈیوں میں سے گودا بھی نکال کر کھا جانا شدت اشتہا اور ذوق خورش کا بہترین ترجمان۔

اسی طرح عام طور پر دو پہلوانوں کی آپس کی جنگ کے واقعات۔ داؤ پیچ۔ حریفان نبرد کی سرجوشی۔ تیزدستی اور سخت کوشی۔ جوش و خروش اور گرما گرمی کے نقشے فردوسی کا قلم نہایت مفصل کھینچ کر دکھاتا ہے اور فصاحت و بلاغت کے کسی اصول کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ سہراب کا کیکاؤس کے خیمہ کی میخیں اکھاڑ پھینکنے کا واقعہ فردوسی کے الفاظ میں قابل دید ہے۔

ازان پس بجنبید از جائے خویش به نزدیک پرده سرا رفت پیش
خم آورد پشت و سنان سیخ بزد تند و برکند هفتاد میخ
سراپرده یک بهره آمد زپائے زهر سو برآمد دم کرنائے

کس قدر مکمل تصویر ہے جس طرح سہراب نے گھوڑے کی پیٹھ پر برچھا سنبھالا۔ تیزی سے حملہ کیا اور ستر میخیں اکھاڑ کر پھینک دیں خیمہ ایک طرف سے زمین پر آرہا اور ہر طرف شور برپا ہوگیا۔ اسکی تفصیل واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

۵۔ بیان واقعہ اور فرق مراتب

صرف یہی نہیں کہ فردوسی مختلف واقعات کی بہترین عکاسی کرتا ہے بلکہ جہاں کہیں تقریباً ایک ہی قسم کی تصویریں ہوتی ہیں فردوسی ان کے ہر لطیف فرق اور نازک امتیاز کو قائم رکھتا ہے۔ بلکہ اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سہراب کا لشکر میں اپنے سرداروں کو چاروں طرف لئے ہوئے بیٹھا ہونا اور رستم کا جاسوس بن کر وہاں پہونچنا اور سہراب کو دیکھنا۔ یا رستم کا اپنے خیمہ گاہ میں تخت پر بیٹھا ہونا اور سہراب کا قلعہ کی فصیل سے اس کو دیکھ کر ہجیر سے اسکے متعلق مختلف سوالات کرنا تقریباً ایک ہی سے واقعات ہیں۔ لیکن فردوسی کے انداز بیان کا لطف اور الفاظ میں انفرادی فرق مراتب ملاحظہ ہو۔

تو گفتی همه تخت سهراب بود بسان یکے سرو شاداب بود
باز و بکردار ران هیون برش چون بر شیر چهره چو خون

سہراب کا تخت پر بیٹھنے کا ڈھنگ گویا معلوم ہوتا ہے کہ تخت بالکل بھرا ہوا ہے۔ قد و قامت کی بلندی اور چہرہ کی سرخی۔ دست و بازو کی مضبوطی اور سینہ کی فراخی۔ نوخیز نوجوان سہراب کی کس قدر مکمل تصویر ہے۔ اس کے

مقابلہ میں اپنے خیمہ میں تخت پر بیٹھے ہوئے پختہ سال رستم کی تصویر ملاحظہ ہو۔

بمو بر نشستہ یکے پہلوان
ابا فرو باسفت دیال گوان
ازان پس کہ بر پائے پیشش ہراست نشستہ بیکسر از و برتر است

محض دو شعر ایک پیرانہ سال پہلوان کے بھاری بھرکم جسم کا کیسا ہو بہو اور مفصل نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے شانوں کی عظمت اور بازوؤں کی رستمانہ شان ہر لفظ سے برس رہی ہے۔ اور ایک مخصوص قامت وجسامت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ بالخصوص یہ احساس کہ ایک شخص جو رستم کے تخت کے سامنے کھڑا ہوا ہے رستم کے بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں بھی قد و قامت میں اس سے نکلتا ہوا ہے فردوسی کی قوت امتیاز و وقت بیان کا ممتاز کارنامہ ہے۔ رستم میں اگرچہ سہراب کی طرح جوانی کا رنگ روپ یا شباب کی امنگیں نہیں ہیں لیکن

بخود ہر زمان برخرد مشد ہمی تو گوئی کہ دریا بجو مشد ہمی

رستم کی پختہ عمری۔ پھرتی چستی۔ جوش اور عالی ہمتی کو ظاہر کر رہا ہے۔ دونوں برابر کے پہلوان ہیں اور طاقت و زور آزمائی میں کوئی بھی دوسرے سے کم نہیں ہے۔ لیکن عمر و سال کا فرق چہرے کی رونق اور جسم کی بناوٹ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور دونوں کی انفرادیت کو اپنی اپنی جگہ پر قائم کئے ہوئے ہے۔ سہراب کے چہرے سے اگر جوانی کے آثار نمایاں ہیں تو رستم کے تن و توش سے تمام دوسرے حاضرین پر اس کی فضیلت۔ فردوسی نے اپنے بے پناہ آرٹ کو کام میں لاتے ہوئے باپ بیٹے کی شکل و صورت اور قامت و جسامت میں نازک فرق قائم رکھا ہے اور دونوں کے وقار و عظمت۔ جوانی و ہیبت

کو الگ الگ میز کر کے اس طرح دکھایا ہے کہ خود اپنی مثال ہے۔

محبت کا فرق مدارج | محبت اور محبت کے نازک فرق مدارج کو بھی فردوسی کے یہاں ملاحظہ کر لیجیے۔

تہمینہ سے جب سہراب اپنے باپ کا نام و نشان دریافت کرتا ہے تو تہمینہ واقعات بیان کرتے کرتے رستم کا نام آجانے پر اس کی تعریف جن الفاظ میں کرتی ہے اسکے ہر لفظ سے محبت مترشح ہے۔ بالخصوص وہ محبت جو جائز طور پر ایک بچھڑی ہوئی دلہن کو اپنے نامور اور شہرۂ آفاق شوہر سے ہونا چاہیے۔

تو پور گو پیلتن رستمی ۔۔۔ ز دستان سامی و از نیرمی
ازیرا سرت ز آسمان برترست ۔۔۔ کہ تخم تو زان نامور گوہراست
جہان آفرین تا جہان آفرید ۔۔۔ سوارے چو رستم نیامد پدید
دل شیر دارد تن ژندہ پیل
نہنگان برآرد ز دریائے نیل

مادرانہ محبت | ایک دوسرے موقع پر مادرانہ محبت کی تفصیل فردوسی کی زبان سے سن لیجیے۔ اور محبت کے فرق مدارج کا خیال رکھیے۔ سہراب کے مرنے پر تہمینہ جس انداز سے ماتم کرتی ہے اور سال بھر خاک اڑاتی پھرتی ہے۔ دردناک انداز میں ہر ایک سے بات کرتی ہے۔ اور آخر میں اسی غم میں جان دیدیتی ہے۔ فردوسی کی قدرت بیان کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اکلوتے بیٹے کا ماتم اس کے زخم خوردہ دل کی گہرائیوں سے طوفان اشک بن کر نکلتا ہے۔ اور دنیا کو اپنے ساتھ بہائے لیئے جاتا ہے زندگی کو وبال جان سمجھتی ہے اور جب تک زندہ رہتی ہے شرربار

نالوں سے سیر چراغاں کا سامان مہیا رکھتی ہے۔

خروشید و جوشید و جامہ درید | بزاری برآن کودک نارسید
بزو چنگ و بدرید پیراہنش | درخشان شد آن لعل زیبا تنش
زد بزد ناخن دو دیدہ بکند | برآورد بالا در آتش فگند
ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند | بدندان زبازوئے خود گوشت کند
ہمیگفت اے جان مادر کنوں | کجائی سرشتہ بخاک و بخون

تہمینہ کا چاک گریبان خستہ جان برہنہ بدن بدحواسی کے عالم میں اپنی آنکھیں نوچ ڈالنا اور جھپٹ کر آگ میں جا کودنا اس کی مادرانہ محبت کو والہانہ طور پر ظاہر کر رہا ہے اور فردوسی کا انتخاب الفاظ زور بیان۔ زبان پر قابو اور تفصیلات کا لحاظ حیرت انگیز ہے۔ سہراب کے کپڑوں کو بچوں کی طرح آغوش میں لے لینا۔ اسکے سواری کے گھوڑے سے لپٹ جانا اور ہاتھ پاؤں چومنے لگنا۔ اسکے ہتھیاروں سے سر مار مار کر اپنے آپ کو زخمی کرنا مادرانہ جذبات محبت کی کتنی صحیح ترجمانی ہے۔

نگاہ اولیں کی محبت باہمی چیتون اور نگاہ اولیں کی محبت حسن و عشق کی دنیا میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ سہراب اور گردآفرید کے مختصر افسانہ محبت میں اس کا نمونہ بھی دیکھ لیجئے اور فردوسی کے شعور سخن گوئی کی داد دیجئے۔

باہم جنگ کرنے میں گردآفرید کے سر سے خود اتر جانے اور زرہ پھٹ جانے کی وجہ سے اسکے بال بکھر جاتے ہیں۔ گردآفرید کا چہرہ تمتما اٹھتا ہے اور حریف نبرد پر حقیقت کھل جاتی ہے۔

رہا شد زبندہ زرہ موئے او | درفشان چو خورشید شد روئے او

یہ منظر دیکھ کر سہراب کے دل پر بجلی سی گرتی ہے۔ اس کا اندازِ جنگ فوراً بدل جاتا ہے۔ اور اب بجائے تلوار یا تیر چلانے کے وہ کمند سے کام لیتا ہے۔

زفتراک بکشاد پیچان کمند — بینداخت و آمد میانش بہ بند
بدو گفت کز من رہائی مجوے — چرا جنگجوئی تو اے ماہروے
نیامد بدامم بسان تو گور — زچنگم رہائی نیابی مشور

وہ خود اسیرِ دامِ بلا ہو چکا ہے اور اپنے صیاد کو پھندے میں سے کسی طرح آزاد کرنے کو تیار نہیں ہے لیکن چونکہ طبعاً بھولا بھالا اور نرم دل واقع ہوا ہے لہذا گردآفرید کے سحرِ حسن و تاثیرِ کلام سے متاثر ہو کر اسکے دھوکہ میں آجاتا ہے اور اس کو جانے دیتا ہے۔ دوسرے دن جب حقیقت کھلتی ہے تو اس کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور مضطرب و بیقرار رگ جان کا ہر تار کانپ اٹھتا ہے اور وہ کہنے لگتا ہے

مرا چشم زخمے عجب رو نمود — کہ دہر آنچنان صیدے از من ربود
غریب آہوئے آمدم در کمند — کہ از بند جست و مرا کرد بند
زہے چشم بندے کہ آن پر فسوں — بہ تیغم نجست و مرا ریخت خون
مرا تلخ شد زندگی بے رخش — تنم شد اسیرِ شکر پاسخش
ندانم چہ کرد آن فسون گر بمن — کہ تا گہ مرا بست راہِ سخن
بہ آن رزم و آن روے و آن گفتگوے — نہ بینم دگر دلبرے جنگجوے
بزاری مرا خود بباید گریست — کہ دلدار خود را ندانم کہ کیست

(۳) کا یکایک پہلوان اور مردِ مقابل سے صنفِ نازک بن کر سامنے آجانا۔ اور گرفتار ہو جانے پہ خوشامدانہ انداز میں باتیں کرنا پھر چکمہ دے کر نکل جانا اور چلتے چلتے یہ فقرہ کس جانا کہ "ترکان ز ایران نیابند جفت"۔ سہراب کا پتہ بھی

دیر سویر اس سے سابقہ پڑنا ضروری ہے

یکے زود سازد یکے دیر تر

تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے اور قد

خلاف مرضی واقعات اور ناخوش گوار حالا

چہ سازی وو رماں اینا کار چیست

دنیا کی بے ثباتی اور زمانہ کی بے الت

نہیں رکھا ہے۔ ناپائدار چیزوں سے کیا ع

کیا دل بہلانا۔ عارضی قیام گاہ میں کیا سیتو

میں کیا مستقل رہائش کا انتظام کرنا۔

دل اندر سرائے سپنجی مبند

فردوسی اور نظامی

شاعری کے لحاظ
نظامی کا دلچسپ

اس کو کچھ زیادہ مستحسن نہیں خیال کرتے ۔ ا

مقابلہ کرنا اور ایک کو دوسرے پر تفصیل د

پورے دو سو سال بعد پیدا ہوتے ہیں

کر چکی تھی۔ بدیع الزماں ہورعتبی کے اثرا

بھی جو فردوسی کے دور میں نامعلوم تھی۔ نظ

اپنی رنگ آمیزی شروع کر دی تھی۔ منوچہ

عبدالحمید مستوفی اور قاضی حمید الدین کی

کر دیا تھا۔ جب نظامی پیدا ہوتے ہیں

لہ تنقید شعر العجم ۔ صفحہ ۲۲۴ ۔ ۲۲۰

ت کے اعتبار سے زیادہ شرح اور بو کے
کے لیے ان کی طبیعت بیحد موزوں واقع
ت علمیت اور بلند تخیل نے اپنے
ں دیا ہے صنعت پرستی سے قدرتی لگاؤ
یں کمال حاصل ہے عین عالم جوانی میں
ڑتی ہے سلاطین عزت کی نگاہ سے
یک حد تک فارغ البال ہیں۔ اور اسی
م پیدا کرنے اور سرخروئی حاصل کرنے
سے کی بزم میں پہونچے تو شاید اور

پیری میں یہ پہلوان سخنوری کے میدان
کا خوشترین دور سے پیچھے چھوڑ آیا ہے۔
نامہ کے ہفت خوان میں پہلا قدم
راگندہ داستانوں کی تلاش میں
یات میں کوئی اعلیٰ نمونہ اسکے پیش نظر
رتا ہے ورنہ جس طرف دیکھئے
۔ قدامت کے ذوق میں وہ ناشران
ی ترجمہ کا پابند ہو جاتا ہے جس کی وجہ
کا خون کرنا پڑتا ہے۔ اس پر تاکید
کے سر پر اختتام کا سہرا باندھا دیکھ لیں۔

جب رستم پانچ سال کا ہوا تو اس کی خوراک ایک تندرست آدمی کے برابر تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین سال کی عمر میں گھوڑے کی سواری کر لیتا تھا۔ اور آٹھویں برس اپنے وقت کے پہلوانوں میں کسی سے کم نہ تھا۔

چو رستم بہ پیمود بالائے ہشت   بسان یکے سرو آزاد گشت

قصہ مختصر اس کے مقابلہ کا کوئی آدمی بچپن میں بھی نظر نہ آتا تھا اور وہ "وہ آپ اپنی مثال تھا"۔

کس اندر جہاں کودکے نارسید   بدان شیر روی دگر دی ندید

جس پہلوان کی پیدائش اس طرح ہوئی ہو اور جس کی پرورش کی یہ صورتیں ہوں جس کا بچپن میں کوئی نوجوان مقابلہ نہ کر سکتا ہو اور جس کی جوانی اور بڑھاپے کے کارناموں سے داستانیں بھری پڑی ہوں۔ تاجداران وقت جس سے گھبراتے ہوں اور حریفان نبرد جس کے سامنے آنے سے کتراتے ہوں۔ ایسے غیر معمولی انسان کی موت بھی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ چنانچہ مختصراً اس کا حال بھی سن لیجئے۔

رستم کی موت

آزاد سرو کی زبانی قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ شغاد زال کا لڑکا تھا جو ایک کنیز سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش پر نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کے ہاتھوں سام اور نریمان کا گھر تباہ ہو گا۔ جوان ہو کر شغاد کی شادی شاہ کابل کی لڑکی سے ہو گئی۔ رستم ہر سال کابل جایا

کرتا تھا۔ اور وہاں کے بادشاہ سے خراج وصول کر کے لایا کرتا تھا۔ آخری مرتبہ وصولیابی میں رستم نے بجائے معمول سے زیادہ سختی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ ناراض ہوگیا اور اس کا تذکرہ اس نے شغاد سے کیا۔ شغاد نے کہا اگرچہ وہ میرا بھائی ہے لیکن مجھ سے وہ دشمنوں کی طرح برتاؤ کرتا ہے۔ میں خود اس سے نالاں ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ اس کا کسی طرح خاتمہ کر دیا جائے۔ شاہ کابل نے رستم کو مار ڈالنے کی تدبیر دریافت کی تو اس نے جواب دیا۔ ایک زبردست جلسہ کر کے محفل عام وسیع منعقد کی جائے جس میں سب عمائدین سلطنت جمع ہوں۔ اور بے تکلفی کے ساتھ حصہ لے رہے ہوں۔ اسی دوران میں سب کے سامنے مجھ پر بگڑ بیٹھنا۔ اور برا بھلا کہنا شروع کر دینا اس تذلیل پر میں ناراض ہو کر زابلستان چلا جاؤں گا اور زال و رستم کے سامنے تمہاری شکایت کر دوں گا۔

بمی خوردن اندر مرا سرد گوش — بیان سخن ناخوش مرد گوئے

زخواری شوم سوئے زابلستان — بنالم ز سالار کابلستان

اس شکایت پر یقیناً زال و رستم کو غصہ آجائے گا۔ اور وہ اس بے عزتی کا بدلہ لینے کابل آئیں گے۔ تم اس دوران میں یہ کہہ رکھنا کہ شکار کا اعلیٰ پیمانہ پر بندوبست ہو۔ اور شکارگاہ میں جگہ جگہ بڑے بڑے گڑھے کھدوا دیئے جائیں۔ کہ جن میں رستم اور اس کا رخش آ سکے۔ گڑھوں کے اندر تلواریں خنجر اور برچھے اوپر کو نوکیں کر کے گڑوا دیئے جائیں۔ اور پھر زمین ہموار کر دی جائے۔ تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔ شکار کے بہانہ اسی راستہ پر رستم کو ڈال دیا جائے۔ بس وہی گڑھے رستم کی قبر بن جائیں گے۔

تو نخچیر گاہے بگن سوئے راہ — بکن چاہ چندے بہ نخچیر گاہ

براندازہ رستم درخش ساز | بنش ور نشان نیزہ ہائے دراز
سر چاہ را زان سپس سخت کن | ز گفتار لب نیز بر دوخت کن

یہ ترکیب بادشاہ کو بیحد پسند آئی۔ چنانچہ ایک زبردست دعوت کا بندوبست کیا گیا جس میں کابل کے سارے بڑے لوگ جمع کئے گئے۔ پہلے سے طے شدہ نقشہ کے مطابق شغاد نے اپنی اور اپنے خاندان کی تعریف میں الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کیں۔ بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے سب کے سامنے شغاد اور اس کے سارے خاندان کو برا بھلا کہنا اور ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ شغاد سے نہ رہا گیا اور وہ سخت برافروختہ ہو کر اس تذلیل کی شکایت زال و رستم کے پاس لے چلا۔ نتیجہ حسب مرضی نکلا۔ رستم اپنے بھائی کی بے عزتی کا بدلہ لینے اور تخت کابل پر شغاد کو متمکن کرنے کے ارادہ سے مع ایک لشکر جرار کابل پر حملہ آور ہو گیا۔ جب رستم کابل کے قریب پہونچا تو اس نے بادشاہ کے پاس آدمی دوڑایا۔ کہ رستم آرہا ہے۔ وہ جلدی سے آکر معافی مانگ لے۔ چنانچہ فوراً شاہ کابل برہنہ پا رستم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عاجزی کے ساتھ معافی چاہی۔ رستم کا دل پسیج گیا اور اس نے معاف کر دیا۔

پیمبر کابل بر آمد ز شہر | زباں پر ز پوزش روان پر ز زہر
دو رخ را بخاک سیہ بر نہاد | ہمی کرد پوزش ز کار شغاد
بنجشید رستم گناہ ورا | فزوں کرد زان پائے گاہ ورا

شاہ کابل نے رستم کی آمد کے سلسلہ میں ایک شاندار دعوت کیا اور شکار کے لیے خاص اہتمام و انتظام سے کام لیا۔ سازش شکارگاہ میں گڑھے پہلے ہی سے تیار کرا لیے گئے تھے ا

ایکم مکمل تھی۔

نعل بظاہر وصیاد در قفا خفت است　　اجل رسیدہ چہ داند بلا کجا خفت است

آخر رستم پھندے میں پھنس گیا اور دعوت کے بعد رخش پر سوار ہو کر شکار میں حصہ لینے چل کھڑا ہوا۔ شغاد اس کے ساتھ گیا لیکن ذرا الگ الگ رہا۔ رستم فاتحانہ انداز میں آگے آگے چلا جا رہا تھا کہ یکایک رخش کچھ جھجکا اور کسی طرح قدم آگے نہ بڑھاتا تھا۔ رستم نے غصہ میں آکر ایک ہلکا سا کوڑا اس کے رسید کیا۔ گھوڑا مجبوراً آگے بڑھا لیکن بڑھتے ہی مع رستم کے ایک بڑے سے گڑھے میں گر گیا جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اور جہاں ہر طرف برچھے اور تلواریں اوپر رخ کئے گڑی ہوئی تھیں..

دو پالش فرو شد بیک ناسار　　بند جائے آویزش و کارزار
بن چاہ پر حربہ و تیغ تیز　　نہ جائے مردی و جائے گریز

رستم اور اس کا رخش دونوں بری طرح زخمی ہو گئے اور ایسے پھنسے کہ بہادری و جنگ آزمائی۔ جے کہ گریز پائی کی بھی گنجائش نہ رہی۔ دونوں دم توڑنے لگے اور زندگی سے سخت مایوس ہو گئے۔ کچھ دیر بعد رستم نے آنکھیں کھولیں اور ہمت کر کے گڑھے سے اوپر سر نکال کر دیکھا تو شغاد سامنے کھڑا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ سب اسی کی کارگزاری ہے۔ اس نے شغاد سے کہا کہ ذرا مجھے دو تیر اور میری کمان زہ کر کے دیدینا۔ تاکہ اگر جنگلی جانور شکار کی تلاش میں ادھر کا رخ کرے تو میرے ہاتھ میں [illegible] کر بھاگ جائے اور حملہ کی ہمت نہ کر سکے۔ شغاد نے مسکراتے [illegible] کر کے رستم کے ہاتھ میں دے دی۔ بڑی مشکل سے [illegible] [illegible]ٹھائی اور ایک تیر ایسا جوڑ کر مارا کہ شغاد مع اس درخت

کے کہ جس کے پیچھے وہ گھبرا کر جا چھپا تھا بری طرح چھد کر رہ گیا۔

درخت و برادر بہم بر بدوخت ۔ بہنگام رفتن دلش برفروخت

اپنے دوست نما دشمن کا اپنے ہاتھوں یہ حال دیکھ کر رستم مسکرایا!
اور اس نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس قادر کارساز نے مرتے
دم یک دشمن سے بدلہ لینے کی طاقت اس کے ہاتھوں میں عطا فرمائی۔ اور
سکون قلب کے ساتھ خاتمہ بالخیر کیا۔

مرا ازور دادی کہ از مرگ پیش ۔ ازین بے وفا بستدم کین خویش۔
بگفت این و جانش برآمد زتن ۔ برو زار و گریان شد انجمن

رستم کا فوق البشر کردار

یہ جو کچھ قصہ ہوا اور رستم جیسے بھی دنیا سے
ہوا یا عالم وجود میں آیا۔ عام طریق کار سے
بہت کچھ مختلف اور معمولی طرز حیات سے غیر معمولی طور پر بالاتر ہے ان سب
خرق عادت واقعات کی ذمہ داری فردوسی پر نہیں بلکہ ادب کے اس
تخلیقی رجحان پر ہے کہ جس کی بدولت مافوق البشر کردار ہمارے ادب
میں راہ پاتے ہیں۔ صرف فردوسی یا موبدان وقت وہ ہاتین ۱۴۱ ان
ہی نے اپنی قومی رزمیہ داستانوں کے لیئے ایسے کردار منتخب نہیں کئے
ہیں۔ بلکہ ہوتا چلا آیا ہے کہ قدیم تواریخ اسی قسم کے کرداروں سے
بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ مہابھارت کے ہندوستانی سورما۔ یا قدیم یونانی
لڑائیوں کے ہیرو سب اسی نمونہ کے انسان ہیں یونان کے مشہور
پہلوان ہرکلیز کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ آٹھ مہینہ کی عمر میں اس
ان دو سانپوں کا گلا گھونٹ دیا کہ جو اس کے دشمنوں نے اس پر

حملہ کرنے کے لیے نیچے تھے۔ ہومر کے دو ایک کرداروں کا حال بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے:۔

"یہ نادرالوقت نوجوان ابھی نو مہینے کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کا قد ۳۰ فٹ کے قریب تھا اور ان کے شانے ساڑھے تیرہ فٹ چوڑے تھے۔ ان کو اپنی قوت پر ناز تھا اور عالم بالا بھی ان کے سامنے کانپتا تھا۔ وہ خداؤں کو بھی مقابلہ کی دعوت دے دیا کرتے تھے اور عام انسانوں سے کافی مختلف اور ممتاز تھے۔"

مشہور یورپین رومانی شاعر کولریج کا "قصہ بیم جازران" اسی قسم کی چیز ہے حکیم ارسطو کا خیال ہے کہ ادبی تخلیق میں تخئیل کی رنگ آمیزی اور تاریخی پس منظر کے ساتھ ادبی نقاشی معیوب چیز نہیں ہے کیونکہ ادبی تخلیق اس ہی وقت اپنی بلکشی اور دل آویزی برقرار رکھ سکتی ہے کہ جب اپنے بناؤ سنگھار اور آرائش و زیبائش میں اس کو پورا اختیار دے دیا جائے۔ ہاں اگر واقعات اور صورت حالات حقائق حیات سے اتنے مختلف کر دیے جائیں کہ انسانی شکل و شباہت کا پہچاننا ناممکن ہو جائے اور کردار انسانی سے حیوان مطلق یا شیطان میں تبدیل ہو جائے تو یقیناً وہ تخلیق ادبی دنیا میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ اور سکہ رائجہ کی طرح ہر مجلس علم و محفل ادب میں ہاتھوں ہاتھ نہیں لی جا سکتی۔

فردوسی نے اپنے ہیرو رستم کی تخلیق اسی اصول کے ماتحت کی اور نہایت

لے EPHIALTES & OTUS

لے ODYSSEY-XI : 18-POPE

لے ANCIENT MARINER

کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہونچایا۔ تاریخی حقائق کو پس منظر میں لئے ہوئے قوت تخیلہ کے سحر کار قلم سے اس نے وہ گل کاریاں کیں کہ دنیا اور دنیا کے ادب نے اس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور قبول عامہ بقائے دوام کا تاج سر پر رکھا۔ فردوسی کو خود بھی اس کا احساس تھا اور شاہنامہ کی عظمت سے وہ بے خبر نہ تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر کہتا ہے۔

چو این نامور نامہ آید بہ بن زمن روئے کشور شود پر سخن

ازین پس نہ میرم کہ من زندہ ام کہ تخم سخن را پراگندہ ام

فردوسی نے شاہنامہ نظم کر کے جس طرح رستم کو زندہ جاوید بنادیا اسی طرح رستم نے بھی فردوسی اور اسکی فکر رسا کو لازوال اور غیر فانی بنادیا۔ تخلیقی ادب میں کبھی وہ مقامات ہیں جہاں پہونچکر انسان خود مافوق البشر ہو جاتا ہے اور پست خیالوں سے دور بھاگنے لگتا ہے۔ وہ حقائق حیات سے کھیلتا ہوا جذبات انسانی کی آئینہ داریاں کرتا ہوا۔ بلند اور لطیف احساسات بشری کو معیاری انداز میں سلک نظم میں پروتا ہوا۔ دلکش مناظر حیات سے لطافت اندوزیوں کے ساتھ گزرتا ہوا ایسی فضائیں پہونچ جاتا ہے کہ جہاں پہونچنے کی تمنا میں غالب۔ نے کہا تھا۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے پرے ہوتا کاشکے مکاں اپنا

یہ عرش مکاں اور بلند آشیاں کردار نگار یا اس کا کردار پھر کسی مخصوص زبان یا محدود ادب کی ملکیت نہیں رہتا۔ بلکہ آفاقی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیئے غیر فانی اور حیات ابدی کا مالک بن جاتا ہے۔ ہر ملک کے ادب میں اس کی عزت کی جاتی ہے اور ہر تخلیقی ادب کا دلدادہ اس کا احترام کرتا ہے۔ وہ نوع انسان کی ملکیت ہوتا ہے اور کائنات بشری اس کی

محافظ و نگہبان۔

رستم کی تاریخی حقیقت

فردوسی کچھ ایسا صاف گو واقع ہوا ہے کہ وہ اپنے معرکہ آرا کردار رستم کی تاریخی حقیقت کو زیادہ نہ چھپا سکا اور آخر ایک موقع پر بول ہی اٹھا کہ:۔

منش کردہ ام رستم داستاں — دگر نہ یلے بود در سیستاں

اور سچ تو یہ ہے کہ "یلے ہم بود" تاریخی شہادتیں سامان یقین بہم پہنچا رہی ہیں کہ رستم محض ایرانی فوج کا ایک جنرل تھا جو ۱۳۵ء میں عربوں اور ایرانیوں کی فیصلہ کن لڑائی "جنگ قادسیہ" میں اہل عرب کے مشہور جنرل سعد ابن وقاص کے مقابلہ پر جنگ کرتا ہوا شکست کھا کر مارا گیا۔[1] گویا فردوسی سے تقریباً چار سو سال قبل رستم نے میدان جنگ میں کچھ کام کیا اور فتوحات عرب کے سلسلہ میں راہی ملک عدم ہو گیا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا

تخلیقی ادب اور تاریخی چھان بین

اس موقع پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مذاق صحیح کی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ ادبی شاہکاروں کی تاریخی چھان بین کر کے تخیلی شیوا بیانیوں اور ادبی لطف اندوزیوں کو پھیکا اور خالص ادبی بھرم کو ہلکا نہ کیا جائے۔ اور "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کا الزام اپنے سر نہ لیا جائے کبھی کبھی اس قسم کی سائنٹفک موشگافی اور کرید اس مغربی خوردبینی کے مترادف ہو جاتی ہے جس کے متعلق حضرت اکبر الہ آبادی کہہ گئے ہیں

---

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن۔ جلد اول صفحہ ۱۹-۱۹۷ بحوالہ

مغرب نے خوردبین سے کران کی دیکھی   مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

تاریخی تحقیق و تدقیق اپنی جگہ پر نہایت اہم اور کارآمد چیز ہے۔ لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ آفاقی کرداروں اور ادبی شاہکاروں کی ہردلعزیزی میں کسی قسم کی کمی کا سامان فراہم کرے۔ ادب اور تاریخ دونوں اپنے اپنے محمل میں کام کرتے ہیں۔ اور دونوں کے راہوار سکر و خیال اپنے اپنے میدانوں میں جولانیاں دکھاتے ہیں۔ کہیں بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور کہیں طوطے مینا بنا کر فضاؤں میں اڑائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دونوں کا امتزاج متوازن سمجھوتہ کی شکل میں ظاہر ہوکر آسمان ادب پر ماہ نیم ماہ بن کر چمکتا ہے اور تاریخ و ادب کے شاہکاروں کو قبول عام و پسند خاص کا خلعت عنایت کرتا ہے۔ تاریخی چھان بین جو کچھ بھی نتائج نکالے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ فردوسی کا "رستم داستان" یا "رستم داستان" ایک ایسا غیرفانی کردار ہے کہ جس کو آسانی سے خاک میں نہیں ملایا جا سکتا۔ فکر انسانی اس کی تخلیق پر جتنا ناز کرے کم ہے۔ اور دنیائے ادب میں اس کا جتنا چرچا ہو حق بجانب ہے۔

داستان سہراب و رستم اور آرنلڈ

جذبات انسانی کی صحیح آئینہ داری اور بلند معیاری زبان کی شستگی اور بیان کی برجستگی موضوع کی عظمت اور عنوان کی دلگدازی مزید برآں اسلوب بیان کی بادتاری یہی چند چیزیں ہیں جو کلام کو دقیع تر اور شاعری کو تنقید حیات اور ترجمانی کائنات بنا دیتی ہیں۔ میتھو آرنلڈ یورپین ادیبوں اور نقادوں میں ایک ایسا نقاد ادب ہے جو صرف اصولی بحثوں سے کام نہیں

بلکہ عملی طور پر نثر و نظم میں ایسے نمونے پیش کرتا ہے جو ہر حیثیت سے معیاری
اور آفاقی کہے جا سکتے ہیں۔ اس نے اپنی شاعری کے لئے ہمیشہ بلند معیار
موضوع۔ باوقار انداز بیان اور شائستہ زبان استعمال کی جس کی بدولت
وہ ایک خاص شہرت کا مالک بنا۔ ۱۸۵۳ء میں اس نے اپنی ایک نظم کے لئے
"داستان سہراب و رستم" کو عنوان بنایا۔ اور سلسلہ واقعات میں کچھ ردو بدل
کے بعد شاہنامہ کی اس زندہ جاوید داستان کو یورپین مستشرقین کے لئے
انگریزی میں پیش کیا۔ آرنلڈ کی داستان سہراب و رستم میں جذبات کی
آئینہ داری اور حریفان نبرد کی نفسیاتی تجزیہ نگاری پر زیادہ زور دیا گیا ہے
وہ خود طبعاً بے نیاز اور فطرتاً حیات انسانی سے گریزاں اور بیزار واقع ہوا
ہے۔ اس کو تمام انسانی کوششوں کی بے سود نمائشیں اور فضول امیدوں
کی موہوم تجلیاں لامتناہی مجبوریوں کی مسلسل تاریکیوں میں کھوئی ہوئی نظر
آتی ہیں۔ ہستی بشر اس کو چاروں طرف سے طوفان حوادث میں گھری ہوئی
دکھائی دیتی ہے تنہائی و بے سرو پائی کے سوا کوئی شریک کار و مددگار نظر
نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان ان بکھرے چھوٹے ٹاپوؤں
کی طرح جن میں سے ہر ایک کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو دیگر
افراد انسانی سے بالکل الگ اور غیر متعلق رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔
اور یکجا ہونے کے باوجود مل بیٹھنے کی اجازت اس کو نہیں دی گئی ہے۔
ایسے حالات میں ایک حساس انسان کی روح دنیا سے بھاگتی ہے اور
کارکنان قضا و قدر کو بھی اس کو تنہا ہی چھوڑ دینے میں لطف آتا ہے۔
اسی ان پر آرنلڈ کی نظم ختم ہوتی ہے اور زندگی کا مآل مایوسی اور عزلت گزینی

بتاتے ہوئے ذوق فنا سے لذت آشنا کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ فردوسی کے یہاں بھی رستم اور اس کا لخت جگر آخر میں تنہا رہ جاتے ہیں اور زندگی کی رنگین اداؤں سے مایوس ہو کر تقدیر الٰہی پر صابر و شاکر نظر آتے ہیں ۔ ایک مقبرہ میں آرام کرتا ہے اور دوسرا زابلستان چلا جاتا ہے اور زندہ در گور بن کر زندگی کے دن پورے کرتا ہے ۔ رفتہ رفتہ فطرت سکون خاطر کا سامان فراہم کر دیتی ہے اور زندگی اپنا دور حسب معمول جاری رکھتی ہے ۔

برستم برین روز چندے گزشت بگرد دلش شادمانی نگشت
باخر شکیبائی آورد پیش کہ جز آن نبی دید ہنجار خویش

نعمت اللہ روڈ ۔ لکھنؤ
۲۹ ۔ اگست ۱۹۴۸ء
مطابق ۲۳ ۔ شوال ۱۳۶۷ھ

عبدالاحد خلیل
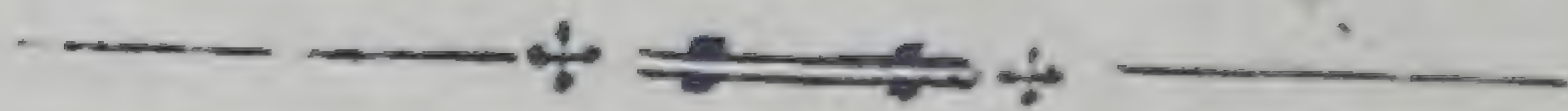
خلاصہ
داستان سہراب و رستم

تمہید داستان کے سلسلہ میں قصہ سہراب و رستم بیان کرنے سے پہلے فردوسی کسی قدر جذبات کی دنیا میں کھویا ہوا نظر آتا ہے اور زمانہ کی نیرنگی نیز واقعات کی زنگارنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے موت کی کارفرمائیوں پر فلسفیانہ انداز میں اظہار خیال کرتا ہے۔ بقول اقبال

موت ہر شاہ و گدا اسکے خواب کی تعبیر ہے ۔ اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

وہ قتل سہراب کو فطرت کا کھیل بتاتا ہے اور موت کو حسین خوابوں کی ہولناک تعبیر۔ اس کو سہراب کی تعمیر میں ابتدا ہی سے خرابی کی صورتیں مضمر نظر آتی ہیں اور وہ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ آخر میں بطور نتیجہ اس منزل پر پہونچتا ہے کہ

دل اندر سرائے سپنجی مبند ۔ سپنجی نباشد بسے سودمند

اسکے دل میں طرح طرح کے خیالات موجزن ہوتے ہیں وہ سوال کرتا ہے کہ اگر اتفاق سے تیز ہوا چلنے لگے اور اسکے سخت جھونکوں کی تاب نہ لاکر کچھ کچے ترنج بھی درخت سے نیچے گر پڑیں تو ہوا کا یہ فعل انصاف کہا جائے یا انصافی۔ اس کو اچھا کہا جائے یا بُرا۔ اگر موت انصاف ہے تو ناانصافی کس چیز کا نام ہے۔ اور اگر یہی انصاف ہے تو اس کے خلاف لوگوں کا یہ شور و غل کیسا۔ پھر موت اور زندگی

و کے سربستہ رازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ازیں راز جاں تو آگاہ نیست   بدیں پردہ اندر ترا راہ نیست

بات یہ ہے کہ چونکہ انسان نہایت حریص واقع ہوا ہے اسلئے یہ راز اس پر کھولا ہی نہیں گیا۔ ممکن ہے کہ دوسری دنیا میں پہونچکر وہ ان حقائق سے واقف کردیا جائے۔ اور اس کی جان اس کشمکش سے نجات پاجائے۔ پھر وہ موت کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر دنیا میں موت نہ ہوتی اور توالد و تناسل کا سلسلہ یونہی جاری رہتا تو زمین پر رہنے بسنے کو تو کیا انسان کو کھڑا رہنے کو بھی جگہ میسر نہ آتی۔

اگر مرگ کس را نیو بار دے   ز پیر و جوان خاک بسیار ئے

اگر آگ جلائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اس کی تو فطرت ہی یہی ہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ ہری شاخوں اور خشک ٹہنیوں میں فرق نہیں کیا کرتی۔ موت کی آگ بھی اسی طرح بوڑھے بچے میں تمیز کرنے سے قاصر ہے۔ پھر بھلا جوانوں کے لیئے جوانی میں کیا خوشی ہو سکتی ہے اور زندگی کا طلسم کہاں تک نظر بندیاں قائم رکھ سکتا ہے۔ وقت آنے پر موت کے سامنے چون و چرا کرنے یا تعمیل حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرنے کی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔

اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی پریشان خیالی کا حل مذہب میں تلاش کرتے ہوئے فردوسی کہتا ہے کہ مذہبی تعلیم

ہو ایمان کا تقاضہ ہے کہ ان معاملات میں زبان بند رکھی جائے اور عاقبت کی فکر کی جائے۔ شیطانی وسوسوں کو دل میں نہ آنے دیا جائے اور کوشش کی جائے کہ خاتمہ ایمان اور اسلام پر ہو۔

بہ گیتی در آن کوش چون بگزری — سرانجام اسلام باخود بری

اس تعارف کے بعد فردوسی داستان سہراب و رستم شروع کرتا ہے۔

ایک روز رستم نے دل بہلانے کی خاطر صبح ہی سے سیر و شکار کا اہتمام شروع کیا اور اپنے رخش پر سوار ہو کر توران کی طرف چلا۔ اس علاقہ میں پہونچکر رستم نے چند گورخر شکار کیے اور جنگل میں لکڑیاں جمع کر کے ان میں سے ایک کو کباب کیا۔ پھر اچھی طرح کھا پی کر خود تو آرام کرنے لیٹ گیا اور گھوڑے کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔

رستم ابھی سو ہی رہا تھا کہ تاتاری خانہ بدوشوں کا ایک گروہ گھومتا ہوا ادھر آ نکلا۔ اتنا خوبصورت گھوڑا آزاد پھرتا دیکھ کر ان کا جی للچایا۔ اور وہ اس کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ کچھ لوگ بری طرح زخمی ہوئے اور دو ایک گھوڑے کی لاتوں اور دانتوں کی بدولت جان بحق ہو گئے۔ لیکن آخر میں وہ گھوڑے کو پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئے اور خوش خوش اس کو اپنے گھر کی طرف لے چلے۔

رستم جب بیدار ہوا تو گھوڑے کو وہاں نہ پاکر سخت متفکر ہوا۔

وہ سمجھ گیا کہ کوئی اس کو چرا کر لے گیا ہے۔ ورنہ خود گھوڑا اس کو چھوڑ کر
جانے والا نہ تھا۔ چنانچہ گھوڑے کی زین اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کے
نقش قدم کا پتہ لگاتا ہوا وہ سمنگان کی طرف چلا۔ جو توران کی سرحد
پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔

چنین است رسم سرای درشت — گہی پشت زین و گہی زین بہ پشت
پر از جوش بر داشت رہ بر گرفت — پر اندیشہ با دل اندر گرفت

چو نزدیک شہر سمنگان رسید — خبر زو بشاہ و بزرگان رسید
کہ آمد پیادہ گو تاج بخش — بہ نخچیر گہ زو رمیدہ است رخش

خبر پاتے ہی شاہ سمنگان بنفس نفیس اس کے استقبال کو گیا اور پیدل
اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہی محل میں چلنے کی درخواست کی۔ بادشاہ
کا یہ برتاؤ دیکھ کر رستم راضی ہو گیا اور اسکے ہمراہ چلا آیا۔ اپنے گھوڑے
کے چوری جانے کا اس کو سخت افسوس تھا اور رہ رہ کر چرانے والوں
پر اس کو غصہ آتا تھا۔ شاہ سمنگان کو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ
گھوڑے کے نقش قدم بتاتے ہیں کہ سمنگان ہی کے لوگوں نے اس
کو پکڑا ہے۔ اگر اس کے گھوڑے کا جلد از جلد پتہ نہ چلا تو اچھا نہ ہوگا
شاہ سمنگان نے بڑی نرمی اور سہولت سے اس کو سمجھایا۔

کہ تیزی و تندی نیاید بکار — بہ نرمی بر آید ز سوراخ مار

وہ ہرگز کبیدہ خاطر نہ ہو۔ بہت جلد اس کا گھوڑا ڈھونڈ
نکالا جائے گا۔

شاہ سمنگان کی خاطر مدارات اور طرز کلام سے رستم کا غصہ کسی قدر ہلکا ہو گیا اور وہ شاہی مہمان بن کر کچھ دن کے لیئے وہاں ٹھہر گیا۔ بادشاہ نے رخش کی سراغ رسانی کے لیئے سخت احکامات جاری کر دیئے، اور فوراً ہر طرف تلاش شروع ہو گئی۔ اس کے علاوہ ریاست میں رستم کی آمد کی خوشی میں ایک زبردست دعوت کا بندوبست کیا گیا جس میں ناؤ نوش اور رقص و سرود کا پورا انتظام تھا۔

یکے بزم خرم بیاراستند زترکان چینی قدح خواستند

محفل عیش و نشاط کے بعد جب سونے کا وقت آیا تو ایک نہایت سجی سجائی شاندار خواب گاہ میں اس کو آرام کرنے کو کہا گیا۔ رستم چونکہ کافی تھکا ہوا تھا لہذا لیٹتے ہی سو گیا۔ پہر رات گئے اس کو ایک حسین خواب نے بیدار کر دیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ اس کے سرہانے ایک ماہرو شہزادی کھڑی ہے اور ایک لونڈی ہاتھ میں عنبرین چراغ لیئے ساتھ ہے۔ شہزادی کے حسن و جمال کو دیکھ کر رستم حیران رہ گیا۔

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند بہ بالا بکردار سرو بلند

لبان از طبرزد زبان از شکر دہانش مکلل بدر و گہر

رستم نے اس سے اس بے وقت آمد کا سبب دریافت کیا جواب ملا کہ میں شہزادی تہمینہ ہوں۔

کس از پردہ بیرون ندیدہ مرا نہ ہرگز کس آوا شنیدہ مرا

میں نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا اور نہ کسی غیر نے کبھی

میری آواز سنی لیکن تیری شہرت اور کارناموں کی عظمت نے آج مجھے پابزنجیر یہاں لاکھڑا کیا ہے۔ رستم نے بلا کر پاس بٹھا لیا اور باتیں ہونے لگیں۔

برخویش خواندش چو سرو رواں   خراماں بیامد بر پہلواں
بفرمود تا موبدے پر ہنر   بیاید بخواہد ورا از پدر

تہمینہ نے شادی کی درخواست کچھ اس انداز میں کی کہ رستم کو منظور کرنے ہی بن پڑی۔ چنانچہ صبح کو باقاعدہ رستم کی کتخدائی کا پیغام شاہ سمنگان کو دیا گیا۔ اس نے فوراً بخوشی منظور کر لیا اور شہزادی سے شادی ہو گئی۔

رشتہ عروسی کے بعد رستم زیادہ دن وہاں نہ ٹھہرا ادھر اس کا گھوڑا بھی مل گیا تھا۔ چنانچہ رخصت ہونے سے پہلے اس نے تہمینہ کو اپنے بازو کا مہرہ دے کر کہا کہ میں تم کو یہ نشانی دیتا ہوں اگر لڑکی پیدا ہو تو اس کے بالوں میں بطور تعویذ لٹکا دینا اور اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کے بازو پر بطور باپ کی نشانی کے باندھ دینا۔ دوسرے دن وہ اپنے رخش پر سوار ہو کر سیستان اور زابلستان کی طرف چلا گیا۔ سمنگان کی مہمان نوازی اور تہمینہ کی محبت اس کو اکثر یاد آتی رہی۔ لیکن اس نے کسی سے تذکرہ نہ کیا اور ان سب واقعات کو پردۂ راز ہی میں رکھا۔

تہمینہ کو رستم کی جدائی بہت شاق گزری۔ لیکن مجبور تھی۔ آخر نو مہینہ کے بعد اس کے یہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سہراب رکھا گیا۔ سہراب کی تندرستی کا یہ عالم تھا کہ ایک

مہینہ بعد وہ قد و قامت میں ایک سال کا معلوم ہوتا تھا۔

چو یک ماہ شد ہمچو یک سال بود　　برش چون بر رستم زال بود

اور جب اس کی عمر دس سال کی ہوئی تو ساری مملکت میں اس کے مقابلہ کا کوئی خوش رو جوان ڈھونڈے سے نظر نہ آتا تھا۔

بہ تن ہمچو پیل و بچہرہ چو خون　　سطبر ہش دو بازو بسان ستون

بہ تنگ در دویدے پئے بادپائے　　گرفتے دم اسپ ماندے بجائے

آخر ایک روز سہراب نے اپنی ماں سے ذرا بگڑ کر دریافت کیا۔ کہ اگر لوگ میرے باپ کا نام مجھ سے دریافت کریں تو میں کیا جواب دوں کیونکہ میں یقیناً یہاں کے لوگوں اور خاندان کے دوسرے بچوں سے بہت مختلف ہوں۔

تہمینہ نے اس کو بتایا کہ تیرے باپ کا نام رستم ہے جو ساری دنیا میں مشہور ہے اور جس کے مقابل کوئی پہلوان آج تک روئے زمین پر پیدا نہیں ہوا۔ اسی سلسلہ میں تہمینہ نے رستم کا خط اور وہ سب تحائف بھی سہراب کو دکھلائے جو اس نے ایران سے بھیجے تھے۔ اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تیری پیدائش کی خبر کے بجائے یہ کہلا بھیجا ہے کہ میرے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تہمینہ نے اس غلط اطلاع دینے کا راز بھی اس کو بتا دیا باپ کا نام سن کر سہراب کے دل میں اس سے ملنے کا بیحد اشتیاق پیدا ہوا لیکن ماں نے سمجھا بجھا کر اس کو روک دیا۔ تہمینہ نے سہراب کو سمجھایا کہ اگر رستم کو معلوم ہو گیا کہ تم

اسلئے کہ لڑکے ہو تو وہ تم کو میرے پاس سے لے جائے گا اور اپنے
پاس رکھ کر پرورش کرنے گا۔ اس طرح تم سے تمھارا وطن چھوٹے گا
اور مجھ سے میرے دل کا سکھ چین۔ دوسرے تمھارے پیدا ہونے
کو راز میں رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر توران کے بادشاہ
افراسیاب کو پتہ چل گیا کہ تم رستم کے لڑکے ہو تو وہ تم کو زندہ نہ چھوڑے
گا کیونکہ وہ رستم اور اس کے خاندان کا جانی دشمن ہے۔ ان حالات
میں بہتر یہی ہے کہ ابھی تم خاموش رہو اور گھر ہی پر آرام کرو۔

سہراب راضی ہو گیا اور اس نے راز کو فاش نہ کرنے کا عہد
کیا۔ لیکن رستم سے ملنے کا اشتیاق برابر بڑھتا رہا اور اس نے کہا کہ
وہ خود رستم سے ملنے جائے گا اور تاتاریوں کے بڑے سے بڑے
لشکر کا مقابلہ کرے گا۔ کیا ایران اور کیا توران وہ کسی ملک میں
کسی سرکش کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ وہ کاؤس کو تخت سے اتارے
گا اور طوس پر قبضہ کر کے رستم کو وہاں کا بادشاہ بنائے گا۔ ایران
سے فرصت پا کر وہ توران کا رخ کرے گا۔ اور افراسیاب پر
چھاپہ مارے گا غرضکہ اس کے اور اسکے باپ رستم کے ہوتے کوئی دوسرا
بادشاہ پنپنے نہ پائے گا۔

جو رستم پدر باشد و من پسر به گیتی نماند کسے تاجور

جب ان ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو سہراب
نے اپنی سواری کے لیے گھوڑا تلاش کیا۔ شاہ سمنگان کے اصطبل

میں کوئی گھوڑا سہراب کی سواری کے لائق نہ نکلا۔ آخر بڑی مشکل سے ایک گھوڑا اس کو پسند آیا جو رستم کے رخش سے پیدا تھا۔ سہراب کے جنگی ارادوں کا حال سن کر ہر طرف سے لوگوں کی ایک زبردست فوج اس کے ساتھ ہو گئی۔ اور اس نے ایران پر چڑھائی کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔

افراسیاب کو تہمینہ اور رستم کے رشتہ عروسی اور سہراب کے پیدا ہونے کی خبر پہونچ چکی تھی۔ اب جو فوجی تیاریوں کی اطلاع ملی تو اس نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ہومان و بارمان دو آزمودہ کار سرداروں کی سرکردگی میں اپنی منتخب فوج سہراب کی امداد کیلئے بھیجنے کا حکم دے دیا۔ افراسیاب نے سہراب کو کہلا بھیجا کہ کاؤس ہم کا سخت دشمن ہے لہذا وہ کاؤس کے خلاف صف آرائی میں دل و جان سے شریک ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خفیہ طور پر اس نے اپنے سرداروں ہومان اور بارمان کو ہدایت کر دی کہ اس طرح انتظام کرنا کہ

پسر را نباید کہ داند پدر ز پیوند جان و ز مہر و گہر

رستم اور سہراب آپس ہی میں لڑ جائیں اور اس طریقہ سے مقابل ہوں کہ ایک دوسرے کو پہچانتے نہ پائیں۔

بادشاہ سے پوری طرح خفیہ ہدایتیں اور سہراب کے لیے خط اور تحائف لے کر جب ہومان وہاں پہونچا تو سہراب کی ہمت

اور بھی دوچند ہوگئی۔ اور اس نے بڑے زور و شور کے ساتھ ایران پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ تھوڑی دور چل کر راستہ میں ایک قلعہ پڑتا تھا جس میں اپنے وقت کا مشہور پہلوان ہجیر بطور قلعہ دار اور محافظ رہا کرتا تھا۔ سہراب کے لشکر کو مقابلہ کے لیے آتا دیکھ کر وہ تنہا قلعہ سے باہر نکل آیا اور جنگ پر آمادہ ہوا۔ حملہ آوروں کی فوج میں سے مقابلہ پر آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ یہ رنگ دیکھ کر سہراب خود ہی مقابل ہوگیا۔ تھوڑی دیر باقاعدہ جنگ کے بعد سہراب نے ہجیر کو گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا کر زمین پر دے ٹپکا۔ خنجر نکال کر وہ اس کا سر کاٹنا ہی چاہتا تھا کہ ہجیر نے نہایت عاجزی سے جان بخشی چاہی۔ سہراب نے فراخ دلی سے معاف کردیا اور گرفتار کرکے ہومان کے پاس بھیج دیا۔

قلعہ کے اندر سے گژدہم کی لڑکی گردآفرید نے جو یہ ماجرا دیکھا تو غصہ میں آپے سے باہر ہوگئی۔ اور سہراب سے بدلہ لینے مردانہ لباس میں باہر نکل آئی۔ اس نے اپنے گیسو فولادی خود اور زرہ کے اندر چھپا لیے اور سہراب سے مبازرت طلب ہوئی۔ اس کو دیکھ کر سہراب مسکرایا۔ گردآفرید نے تیزی سے تیر برسانا شروع کیے پھر نیزہ اور تلوار کے ہاتھ دکھائے۔ اس نبرد آزمائی میں گردآفرید کے سر سے خود اتر گیا اور اس کی تابدار زلفیں چہرہ پر بکھر گئیں۔

رہا شد ز بند زرہ موے او درخشاں چو خورشید شد روے او

یہ رنگ دیکھ کر سہراب کا طرزِ عمل اس کی طرف سے بدل گیا اور اس نے کمند پھینک کر گرد آفرید کو گرفتار کر لیا اور فخر کرتے ہوئے کہنے لگا۔

نیامد بدامم بسانِ تو گور ز چنگم رہائی نیابی مشور

گرد آفرید نے نہایت بھولے پن اور عاجزی کے ساتھ سہراب سے درخواست کی کہ وہ چپکے سے فوراً اسے قلعہ واپس جانے دے ورنہ اس میں اس کی سخت بدنامی ہو جائے گی۔ لوگ کہیں گے کہ سہراب ایک عورت سے مقابلہ کرنے پر فخر کرتا ہے اور جنس نازک سے لڑ کر بہادر بنتا ہے۔ ویسے قلعہ کا خزانہ اور سب زر و جواہر اس کے ہیں اور وہ اس کی کنیز اور تابع فرمان ہے۔

سہراب اپنی ناتجربہ کاری نوعمری اور کچھ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گرد آفرید کی باتوں میں آگیا اور اس کے انداز کلام اور حسن ادا سے ایسا متاثر ہوا کہ گرد آفرید کو قلعہ واپس جانے کی اجازت دے دی قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہی گرد آفرید کا رخ بدل گیا اور اس نے سہراب کو سخت مایوس کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سہراب برہم ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ قلعہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادے گا اور گرد آفرید کو گرفتار نہ کرے گا دم نہ لے گا قلعہ میں بخیریت پہونچتے ہی گرد آفرید اور اسکے باپ گژدہم نے اپنے سردار اور مشیروں سے مشورہ کر کے رات ہی رات میں بادشاہ کو پورے

حالات سے باخبر کرنے کے لیئے ایک مفصل خط روانہ کیا اور پوری فوج
اور خزانہ خفیہ راستوں سے باہر نکال دیا خود بھی مع سب کے چھپ
کر نکل گئے۔ دوسرے دن سہراب جب قلعہ کے دروازہ پر پہونچا
تو وہاں میدان صاف تھا۔ سہراب کو اپنی حماقت پر سخت ندامت ہوئی
اور گردآفرید کے ہاتھ سے نکل جانے پر جگر تھام کر رہ گیا کل کے
واقعہ کا اس کے دل پر گہرا اثر تھا اور وہ سخت غمزدہ اور تنگدل ہونے لگا۔

زہے چشم بندی کہ آں پر فسوں ۔ بہ تیغم نجست و مرا ریخت خوں
مرا تلخ شد زندگی بے رخش ۔ تنم شد اسیر شکم یا بخش...

ہومان کو اگرچہ اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی ۔لیکن...
اور انداز کلام سے پہچان گیا کہ اس کا دل کھیر...
ہوشیاری سے اس نے طرح طرح ک...
بجھایا اور گردآفرید کا خیال ا...
ادھر گردآفرید اور اس ...
دربار میں پہونچا اور و...
حیرت انگیز قسم کا...
جس کا مقابلہ...
کہ ابھی اس کی...
ہو چکا ہے ا...
اور اس...

زابلستان بھیجا۔ گیو کو کاؤس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے
جلد واپس آئے اور کسی نہ کسی طرح رستم کو اپنی طرف سے جنگ پر آمادہ کرلائے
کاؤس نے رستم کی بہت کچھ تعریف و توصیف کے بعد خط میں سہراب کے
حملہ کا مفصل حال لکھا تھا اور بتایا تھا کہ ایران کی یہ مصیبت تمھارے سوا
اب کسی کے دور کئے دور نہیں ہو سکتی۔ تم نے مازندران فتح کیا اور ہاماوران
کے بادشاہ کو تباہی سے بچایا۔ برے وقت میں ایران کے کام
آنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا ہے اور تمھاری بدولت اپنے تخت د
ت و عظمت قائم ہے۔ آخر میں نہایت عاجزانہ درخواست
جلد مدد کے لیے آجائیے۔ ورنہ پانی سر سے گزر
ایران کی تباہی آنکھوں کے سامنے ہے۔

دگر خود بپائی زمانے مپائے

ید سوالات کرنا شروع کیے
دت بطور طریق اور
ملتا ہے تفصیلات
ا ہے۔ لیکن فوراً
دا ہوئی تھی
حط اور عجلت
سامنے آجاتی
ے روانگی پر

آمادہ نظر نہ آتا۔ اس نے اور آدمیوں سے بھی مشورہ کیا لیکن کوئی ٹھیک ٹھیک اس پہلوان کا نام و نشان نہ بتا سکا بالآخر شاہی زمان کا خیال نہ کرتے ہوئے اس نے شراب و نغمہ طلب کیا اور بزم آرائیوں میں مصروف ہو گیا۔

بیا شیم و یک روز دم در زنیم   یکے برلب خشک نم برزنیم

یہ سلسلہ کچھ ایسا چلا کہ چار روز برابر محفل رقص و سرود اور سلسلہ ناؤ نوش قائم رہا۔ پانچویں دن گیو کے بہت اصرار پر رستم اپنے بھائی زوارہ اور جرار زابلی لشکر کے جنگ کیلئے روانہ ہوا۔ اس نے پہلے شاہی دربار میں حاضری دی۔ کاؤس کو رستم پر بے حد غصہ آرہا تھا کہ اس نے تعمیل حکم میں اتنی تاخیر کیوں کی۔ چنانچہ بگڑ کر کاؤس نے گیو کو حکم دیا کہ رستم کو سولی پر چڑھا دے۔ گیو کو اس اقدام میں تکلف ہوا تو اس نے طوس کو حکم دیا کہ دونوں کو زندہ دار پر چڑھا دیا جائے۔ جیسے ہی طوس نے رستم پر ہاتھ ڈالا۔ رستم نے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ طوس منہ کے بل زمین پر آرہا۔ اور رستم سخت غضب ناک ہو کر الگ جا کھڑا ہوا۔ دربار سے روانہ ہونے سے پہلے اس نے بادشاہ کاؤس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے کم ظرف اور بزدل انسان ذرا عقل سے کام لے اور آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کر۔

من آن رستم زال نام آورم   کہ از چون تو شہ خم نگیرد سرم

ایسا ہی تجھے لڑنا ہے تو جا اور یہ غصہ سہراب کو دکھا۔ اگر ہمت ہے تو اس کو دار پر چڑھانے کی کوشش کر۔ میرے غصہ کی آگ کے سامنے کاؤس کی کیا حقیقت ہے۔ مجھے ایک مٹی کے تودے سے کیا ڈرنا۔

چرا دارم از خشم کاؤس باک   چہ کاؤس پیشم چہ یک مشت خاک

میں تو صرف خدا سے ڈرتا ہوں اور اسی کی امداد کی بدولت کامیابیاں حاصل کیا کرتا ہوں۔ دنیا کے لوگوں نے میرے سر پر تاج شاہی رکھنا چاہا لیکن میں نے ملکی قوانین کو توڑنے اور نمک حلالی کے اصولوں سے منہ موڑنے کا کبھی قصد نہ کیا اگر میں نے کبھی تخت و تاج کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ہوتا تو آج یہ عزت و وقار تیرے حصہ میں نہ آتا۔ تعجب ہے کہ مجھ جیسے وفادار مخلص اور خیر خواہ پر غصہ کرنے کی آخر تجھے ہمت ہوئی کیسے۔ سچ ہے میں اسی برتاؤ کا مستحق تھا۔ اے احسان فراموش بادشاہ! میں نے تیرے ساتھ ہمیشہ غیر معمولی سلوک کئے اور ہر جنگ میں بیش بہا خدمات انجام دیں لیکن تو نے ذرا بھی قدر دانی نہ کی۔ اب اس کا انجام دیکھ لینا۔" اس کے بعد رستم ایرانی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ کر وہاں سے چلدیا کہ "اب تم سب اپنی اپنی خیر مناؤ۔ اور ملک کو دشمن سے بچانے کی فکر کرو۔

شما ہر یکے چارہ جان کنید   خرد را بدین کار درمان کنید

سارے وہ باری گھبرا گئے اور ملک پر نازل ہونے والی بربادی کا خیال کر کے کانپ اٹھے۔ اب جو کچھ رہی سہی امیدیں ہوسکتی تھیں وہ گودرز ہی سے ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ وہ بادشاہ کا بڑا مشرب تھا اور رستم بھی اسکی بڑی عزت کرتا تھا۔ گودرز کے بیچ میں پڑ جانے سے بادشاہ کا غصہ جلد ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر وہ رستم کے پاس پہونچا اور اسکو نہایت خوشامدانہ انداز میں سمجھانے بجھانے لگا " آپ جانتے ہیں کہ کیکاؤس نہایت احمق انسان ہے وہ ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے

تو دانی کہ کاؤس را مغز نیست　　بہ تیزی سخن گفتنش نغز نیست

لیکن اب اس کو اپنے کئے پر سخت ندامت ہے۔ تم بھی گذشتہ ناخوش گواریوں کو بھلا کر اپنے ملک کو تباہی سے بچالو۔ ورنہ ساری کی ساری قوم برباد ہو جائے گی اور کوئی رونے اور رحم کھانے والا بھی نہ ہوگا " اتنے کہنے سننے پر بھی جب رستم کا غصہ پوری طرح فرو نہ ہوا تو گودرز نے دوسری چال چلی اور کہنا شروع کیا " اس آڑے وقت میں اگر تم ایران کی مدد نہیں کروگے۔ تو تمھاری شہرت پر بھی آنچ آنے کا اندیشہ ہے لوگ کہیں گے کہ رستم ایک نوخیز بچے سے ڈر گیا۔ مقابلہ پر نہ آیا اور سارے ملک کو برباد ہو جانے دیا "

گودرز کی تقریر کا اثر حسب دلخواہ ہوا اور رستم دوبارہ کاؤس کے دربار میں جانے پر راضی ہو گیا۔ رستم کے وہاں پہونچنے پر کاؤس نے بڑے تپاک سے تخت شاہی سے اتر کر اس کا استقبال کیا۔

اور پچھلے ناخوش گوار واقعات کے لیے معذرت چاہی

چو از دور شہر دید بر پائے خاست   بسے پوزش اندر گزشتہ بخواست

جواب میں رستم نے دل و جان سے مدد کرنے اور اس کی مرضی پر کام کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اس خوشی میں کاؤس نے ایک زبردست دعوت کی اور دل کھول کر خوشی منائی۔ دوسرے دن رستم پوری ایرانی فوج لے کر سہراب سے جنگ کرنے روانہ ہوا۔ کاؤس کی بے شمار فوج جب مقابلہ پر آئی تو قلعہ کے دربان نے فوراً سہراب کو خبر پہونچائی کہ دشمن امنڈ کر آ گیا ہے۔ سہراب خود وہاں پہونچا اور ایرانی لشکر کو دیکھ کر ہومان سے کہنے لگا۔ کہ ذرا اس ٹڈی دل کو دیکھنا۔ تاتاری سردار پہلے ہی سے حواس باختہ ہو رہا تھا۔ سہراب نے اس کو اطمینان دلایا کہ گھبرانا نہیں۔ میرے مقابلہ کا ان میں ایک بھی نہیں ہے۔ پھر دیدگاہ سے نیچے اتر کر شیشہ و ساغر طلب کیا اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ رکھتے ہوئے اور آئندہ فتحمندیاں یقینی سمجھتے ہوئے اپنے سرداروں کے ساتھ بادہ پیمائی اور انجمن آرائی میں مصروف ہو گیا۔

ادھر ایرانیوں نے اپنی فوج قلعہ کے سامنے میدان میں جمائی۔ اور رستم کاؤس سے اجازت لے کر دشمن کی فوجی طاقت اور انفرادی طور پر سرداروں کی کیفیت کا پتہ چلانے خود بھیس بدل کر قلعہ میں پہونچا۔ اور چھپ کر ایک طرف کو اندھیرے میں کھڑا ہو گیا۔ اسنے دیکھا کہ سہراب

بیچ میں بیٹھا ہے اور اس کے داہنے بائیں سب نامور پہلوان جمع ہیں۔ شراب کا دور چل رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں مست ہے۔ اتنے میں کسی ضروری کام سے ژندہ رزم محفل سے اٹھ کر باہر آیا۔ ایک اجنبی قوی ہیکل انسان کی پرچھائیں دیکھ کر اس کو شبہ گزرا اور اس نے للکار کر پوچھا کہ تو کون ہے۔ جواب میں رستم نے اس کی گردن پر ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ وہ وہیں کا ہو رہا۔

ژندہ رزم سہراب کا ماموں تھا اور رستم کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ سمنگان میں رستم کے قیام کے زمانہ میں بے تکلفانہ طور پر وہ رستم کے ساتھ رہ چکا تھا۔ تہمینہ نے خاص طور پر اس کو اسی وجہ سے سہراب کے ہمراہ کر دیا تھا کہ وہ وقت پر سہراب کو بتا دے کہ یہ رستم ہے اور بیٹے کو باپ کے پہچاننے میں دقت نہ ہو۔ ژندہ رزم کا کام تمام کرنے کے بعد رستم اپنے خیمہ گاہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ ژندہ رزم جب کافی دیر تک محفل میں واپس نہ آیا تو سہراب کو فکر ہوئی اتنے میں دوسرا پہلوان باہر نکلا اور وہ ژندہ رزم کا حسرت ناک حشر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب سہراب کو اطلاع ہوئی تو اس کو بیحد رنج ہوا اور اس نے خود جا کر ژندہ رزم کو بغور دیکھا اور سمجھ گیا۔ کہ کوئی دشمن کا جاسوس یہاں پہونچکر یہ کام کر گیا ہے۔ اس نے سب کو ہوشیار کیا کہ ساری رات پوری نگرانی رکھیں۔ انشاء اللہ صبح وہ ایرانیوں سے بالخصوص کاوس سے ژندہ رزم کے خون کا بدلہ لینے جائے گا۔ اور سب گستاخیوں کا

تہ چکھائے گا۔

اگر یار باشد جہان آفریں — چو نعل سمندم بساید زمیں
ز ترک زمیں برکشائم کمند — نخواہم ز ایرانیاں کیں ثرند

ادھر رستم نے واپس جا کر کاؤس سے سب حال کہہ سنایا۔ اس نے سہراب کے متعلق بتایا کہ وہ قد و قامت میں سرو کی طرح ہے۔ اب تک کوئی تاتاری اس شکل و صورت کا پیدا نہیں ہوا۔ کیا توران کیا ایران کہیں بھی اس شان و شوکت کا نوجوان نظر نہیں آتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سام چلا آرہا ہے۔

کہ ہرگز ز ترکاں چنیں کس نخاست — بکردار سرو یست بالاش راست
ز ایران و توران نماند بکس — تو گوئی کہ سام سوار است وبس

سہراب کو ساری رات سخت بے چینی میں گزری۔ صبح ہوتے ہی وہ پوری طرح مسلح ہو کر قلعہ میں ایک بلند مقام پر جا کھڑا ہوا جہاں سے کہ ایرانی فوج صاف نظر آرہی تھی۔ اس نے ہجیر کو اپنے پاس بلوایا اور سہولیت میں اس سے کہا کہ اگر وہ اس کی باتوں کا صاف صاف جواب دے گا تو وہ اس کو رہا کر دے گا۔ ورنہ حشر معلوم۔ راضی نظر آیا۔ سہراب نے اس سے سوالات کرنا شروع کئے۔

" اچھا وہ بالکل بیچ میں شاندار رنگین خیمہ گاہ کس کا ہے جس کے سامنے سینکڑوں ہاتھی بندھے ہوئے ہیں اور جس پر سنہرا آفتاب لہرا رہا ہے "

"وہ بادشاہ کاؤس کا فرودگاہ ہے"
"اچھا داہنی طرف وہ سیاہ رنگ کا خیمہ کس کا ہے"
"وہ طوس پہلوان کا قیام گاہ ہے"
"اچھا وہ سرخ رنگ کا خیمہ کس کا ہے"
"وہ گودرز کا ہے"
اچھا وہ سبز خیمہ گاہ کس کا ہے جس پر کاویانی جھنڈا لہرا رہا ہے
اور جہاں سامنے تخت پر ایک نہایت شاندار اور جوشیلا پہلوان
بیٹھا ہوا نظر آرہا ہے"
(ہجیر کو معلوم تھا کہ یہ رستم کا خیمہ گاہ ہے لیکن اس خیال سے کہ
کہیں سہراب اچانک اسپر حملہ کر کے رستم کو مار نہ ڈالے وہ بات کو ٹال
گیا اور کہنے لگا)
"یہ خیمہ ایک چینی سردار کا ہے جو کاؤس کی امداد کے لیے شاہ
چین کی فوج لے کر آیا ہے"
"اس چینی سردار کا نام کیا ہے"
"مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہے"
سہراب نے دوبارہ اس کا نام پوچھا جس کے جواب میں ہجیر
نے کہا۔
"چونکہ عرصہ سے میں اپنے قلعہ سے باہر نہیں گیا ہوں۔ اسلئے
مجھے پتہ نہیں کہ اس سردار کا نام کیا ہے"

سہراب نے مایوسانہ انداز میں پھر ادھر ادھر کے خیمہ گاہوں کے متعلق سوالات کرنا شروع کئے معلوم ہوا کہ کوئی گودرز کے لڑکے گیو کا خیمہ ہے اور کوئی فرابرز کا۔ سہراب نے ایک مرتبہ پھر سبز خیمہ کیطرف اشارہ کرتے ہوئے چینی سردار کا نام دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن ہجیر نے وہی مایوس کن جواب دیا۔ آخر سہراب نے دریافت کیا کہ "اچھا رستم کا خیمہ کس طرف ہے" ہجیر نے بتایا کہ "غالباً وہ سیر و تفریح کرنے کے سلسلہ میں زابلستان گیا ہوا ہے اور ابھی واپس نہیں آیا ہے" سہراب نے اسپر سخت تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ ایسی زبردست جنگ میں رستم کا نہ ہونا بالکل خلاف قیاس اور سخت مضحکہ انگیز بات ہے۔ باوجود ہجیر کے اطمینان دلانے کے اس کو اعتبار نہ آتا تھا اور اس کا دل کسی طرح ماننے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے ہجیر کو کچھ ڈرایا دھمکایا اور کچھ آزادی اور جان بخشی کا سبز باغ دکھایا لیکن ہجیر نے رستم کا خیمہ بتا کر نہ دیا۔ کچھ قدرتی کشش کی بنا پر سہراب کے سبز خیمہ کی طرف بار بار اشارہ کرنے پر ہجیر نے رستم کی بے حد تعریف کرتے ہوئے یہی جواب دیا کہ یقیناً رستم کا خیمہ کچھ اسی شان و شوکت کا ہوگا لیکن یہ اس کا خیمہ نہیں ہے۔ سہراب نے ہجیر سے کہا "تم میرے سامنے اس انداز میں رستم کی تعریف کیوں کر رہے ہو۔ تم نے بہادروں کو جنگ کرتے دیکھا ہی کب ہے" ان سب باتوں سے ہجیر اپنے خیال میں اور بھی پختہ ہو گیا کہ اگر اس نے رستم کا خیمہ بتا یا تو

یقیناً یکایک اسپر حملہ کردے گا اور ایرانیوں کو سنبھلنا مشکل ہوجائیگا
سہراب سخت برجھار ہا تھا اس نے ہجیر سے غصہ میں سرخ ہو کر کہا۔
"اگر تبانا ہے تو مجھے رستم کا خیمہ گاہ بتادے - ورنہ آج تیری خیر
نہیں ہے" ہجیر نے کاؤس اور رستم کو موت سے بچانے کے لئے
اپنی جان کی بازی لگادی اور جواب دیا "اسوقت میں تمہارے
بس میں ہوں اور میری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے پھر کسی بہانہ
کے تلاش کی کیا ضرورت ہے"

جب کوئی ترکیب کارگر نہ ہوئی اور کسی طرح رستم کا پتہ نہ چلا
تو سہراب سخت ناامید ہو کر قلعہ کی دیوار سے اتر آیا۔ اور اسلحہ جنگ
لگا کر جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے قلب لشکر
پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ کیونکہ کاؤس کا فرودگاہ وہی تھا۔ وہ دڑاتا
ہوا اور شیروں کی طرح دہاڑتا ہوا قلب لشکر میں پہونچا اور کاؤس
کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ زندہ رزم کے خون کا بدلہ لے کر
چھوڑوں گا۔ اگر تجھے ذرا بھی اپنی عزت و آبرو کا خیال ہے تو خود
مقابلہ پر آجا یا اپنے سرداروں میں سے کسی کو مقابلہ کے لیے بھیجدے"
سہراب کوہ البرز کی طرح میدان جنگ میں کھڑا مبارز طلب تھا۔
لیکن کسی پہلوان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس کے مقابلہ پر
آجائے۔ تھوڑا انتظار کرنے کے بعد سہراب نے پھر للکار کر اس
طرح

کہ "کاؤس کو بخشا نہیں جا سکتا"، اور جھپٹ کر اسگلے خیمہ پر ایسا حملہ کیا کہ ستر میخیں اکھڑ گئیں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ کاؤس نے گھبرا کر طوس کو رستم کے پاس بھیجا اور صورت حال سے مطلع کیا۔ رستم جلدی جلدی ہتھیار لگا کر میدان میں آنے کی تیاری کرنے لگا۔ سہراب کا خیال کر کے وہ برابر سوچتا جا رہا تھا کہ یقیناً یہ کوئی دیوزاد ہے۔ ورنہ ساری ایرانی فوج اس طرح ڈر کر جان نہ چراتی۔ آخر خیمہ سے نکلکر وہ میدان جنگ کیطرف چلا اور مقابلہ پر آ کھڑا ہوا۔ سہراب نے رستم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر لڑنا ہے تو ذرا دوسرے لوگوں سے الگ آ کر جنگ کرے۔ رستم تیار ہو گیا۔ جب دونوں اپنے اپنے لشکریوں سے الگ ہو کر آمنے سامنے ہوئے تو سہراب نے فخریہ کہا۔

"کوئی انسان میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر بھلا تو میرے سامنے کیا ٹھہر سکے گا"

"اس قسم کی لنترانیوں سے کیا فائدہ" رستم نے بگڑ کر جواب دیا۔ تو نا تجربہ کار ہے۔ تو نے بہادروں کی جنگ دیکھی ہی کہاں ہے۔ میں ایک پرانا اور جنگ آزمودہ سپاہی ہوں اور نہ معلوم کتنے ۔۔۔ کے سر کر چکا ہوں۔ زمین و آسمان میری بہادری کے شاہد ہیں۔ میں نے جنگ کو ہمیشہ ایک کھیل سمجھا اور ساری زندگی اسی مشغلہ میں گزاری۔ لیکن نہ معلوم کیا بات ہے کہ تیری صورت حیا

دیکھ کر مجھے رحم آتا ہے اور تجھ پر تلوار اٹھانے کو میرا دل نہیں چاہتا ہے۔ تیری صورت تورانیوں سے بالکل مختلف ہے اور ایرانیوں میں بھی کوئی تیری شکل و شباہت کا نظر نہیں آتا۔"

رستم کی اس گفتگو نے سہراب کے دل پر کچھ عجیب اثر کیا۔ اور اس نے بیقرار ہو کر رستم سے سوال کیا۔ "ٹھیک ٹھیک بتانا۔ کہیں تم رستم تو نہیں ہو؟"

"بھلا کہاں رستم اور کہاں میں۔ میں تو رستم کا ایک ادنےٰ خادم ہوں" رستم نے سنبھل کر جواب دیا۔ سہراب یہ جواب سنکر سخت مایوس ہوا۔ اس کو دنیا تاریک نظر آنے لگی۔ اور اس کی یہ کوشش بھی بیکار گئی۔ بالاخر بادل ناخواستہ وہ میدان جنگ میں آکر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔

جنگ شروع ہوئی اور سب سے پہلے نیزوں کے ہاتھ دکھائے گئے۔ جب نیزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو تلوار کی باری آئی۔ اور اسکے بعد گرز کی۔ دونوں کی زرہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ اور برگستوان کٹ کر نیچے گر گئے۔ تمام اسلحہ جنگ کی دھاریں الٹ گئیں اور قیامت کا نقشہ سامنے آگیا۔ گھوڑے تھک کر پست ہو گئے اور لڑنے والوں کے دست و بازو شل ہو گئے۔ چہرے گرد سے اٹ گئے اور جسموں سے خون پسینہ ایک ہو کر زمین پر ٹپکنے لگا۔ پیاس سے زبان سوکھ گئی اور حلق چٹخنے لگا۔ آخر بری طرح

تھک کر دونوں ذرا دم لینے کے لیئے الگ الگ ہو گئے۔ رستم سوچنے لگا کہ میں نے آج تک کوئی جنگ آور اس پھرتی اور کس بل کا نہیں دیکھا۔ سہراب کے سامنے میرے سب کارنامے افسانہ ہو گئے ہیں اور عزت و آبرو کا خاتمہ نظر آرہا ہے۔ دنیا تماشا دیکھ رہی ہے اور ہماری نبرد آزمائی کے فیصلہ کی بے چینی سے منتظر ہے۔ آج میری نام آوری کا آخری دن ہے اور میری شہرت دم توڑتی نظر آرہی ہے۔

کچھ دیر جب دونوں پہلوان دم لے چکے تو تیر و کمان کی جنگ شروع ہوئی اسکے بعد سنگ اندازی کی نوبت آئی۔ اور آخر میں دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ رستم نے سہراب کو زین سے اٹھا کر نیچے پٹخنے کے لیئے کمر پر ہاتھ ڈالا۔ لیکن اسکو جگہ سے ہلا بھی نہ سکا۔ رستم منہ دیکھ کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سہراب نے گرز گراں سے ایسا حملہ کیا کہ رستم کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا۔ یہ حال دیکھ کر سہراب مسکرایا۔ اور فقرے کسنے لگا۔ رستم چپکے سے پی گیا اور سہراب کے فقروں کا اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ غرضکہ اسی طرح برابر جنگ جاری رہی۔ کبھی ایک ذرا دب جاتا تھا اور کبھی دوسرا آخر میں دونوں زور کرتے کرتے تھک گئے اور الگ الگ ہو کر فوجی صفوں میں جا گھسے۔ ایک طرف رستم نے تورانی لشکر میں گھس کر کھلبلی ڈال دی۔ اُدھر سہراب کاؤس کے لشکر میں جا گھسا اور کشتوں کے پشتے لگانے لگا۔ اس ہی دوران میں رستم کو کاؤس کی پریشان حالی کا خیال آیا اور وہ اپنے لشکر کی طرف پلٹ پڑا۔ دیکھتا کیا ہے کہ سہراب نے دسیوں بہادر تہ تیغ کر دیئے ہیں اور سارے لشکر میں تہلکہ ڈال رکھا ہے۔

میان سپہ دید سہراب را   زمین لعل کردہ بجوناب را

یہ دیکھ کر رستم نے سہراب سے للکار کر کہا کہ آخر یہ بے تکا پن کیسا جنگ تو مجھ سے ہو رہی تھی پھر یہ ایرانی فوج کا قتل عام کیوں شروع کر دیا گیا۔ سہراب نے جواب میں اس ہی کو ملزم قرار دیا اور کہا کہ پہلے تو تو ہی تورانی لشکر کی طرف جھپٹ کر گیا تھا۔ رستم خاموش ہو گیا اور کچھ سوچ کر کہنے لگا کہ اچھا اب شام ہو گئی ہے۔ بہتر ہو کہ صبح تک کے لیے جنگ روک دی جائے۔ سہراب بھی چونکہ لڑتے لڑتے تھک گیا تھا لہذا راضی ہو گیا اور دونوں اپنے اپنے خیمہ گاہوں میں واپس چلے گئے۔

سہراب نے اپنے خیمہ گاہ پر پہونچکر جنگ کا سب حال ہومان سے بیان کیا اور رستم کے متعلق کہنے لگا "اس بڈھے کی تاب و توانائی شیر دل جیسی ہے اور اسکے دست و بازو ہاتھیوں جیسے۔

دو بازوش مانندۂ ران پیل   بجوشد ز آواز او رود نیل

خدا جانے وہ کس قسم کا انسان ہے کہ جنگ سے کبھی تھکتا ہی نہیں۔ میری نظر سے تو ایسا پہلوان آج تک گزرا نہیں۔ اب دیکھو کل کیا نتیجہ رہتا ہے" ہومان نے رستم کے وہاں گھس آنے اور پھر فوراً پلٹ جانے کا قصہ بیان کیا اور اس کے کارناموں پر حیرانی کا اظہار کرنے لگا۔

ادھر جب رستم خیمہ گاہ پر واپس پہونچا تو گیو نے ایرانی لشکر پر سہراب کے حملے کا حال بیان کیا۔ پھر رستم کاؤس کے پاس گیا اور دن بھر کی جنگ کی مفصل کیفیت بیان کی۔ وہ سہراب کے متعلق کہنے لگا کسی نے آج تک

اس نمونہ کا نوجوان دیکھا ہی نہ ہوگا۔

کہ کس در جہاں کود کے نارسید　　بدیں شیر مردی و گردی ندید

بیالاشارہ بباید ہمی　　تنش را زمین بر نتابد ہمی

اس کا جسم فولاد کا معلوم ہوتا ہے میں نے تلوار۔ تیر۔ گرز اور کمند مختلف ہتھیاروں سے جنگ کی لیکن اسپر ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ میں نے اٹھا کر زمین پر پٹخنا چاہا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر میں تھک گیا۔ اور کچھ شام ہو جانے کی وجہ سے کچھ اندھیرا بھی ہو گیا تھا۔ لہذا صبح تک کیلئے جنگ ملتوی کر دی گئی ہے۔ اب دیکھو صبح کیا فیصلہ ہوتا ہے اور اللہ کی کیا مرضی ہے۔ کاؤس نے رستم کی کامیابی کے لیے درگاہ خداوندی میں رات بھر دعا کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ کیونکہ اسکے دل سے لگی ہوئی تھی اور یہ کامیابی ایران کی تتمہ مندی تھی۔

جب بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر رستم اپنے خیمہ میں پہونچا تو کچھ کھانے پینے کے بعد اس نے اپنے بھائی زوارہ کو ہدایت کی کہ کل اگر میں کامیاب ہو جاؤں تو خیر۔ ورنہ تم سب کو لے کر فوراً زابلستان چلے جانا۔ اور میری اس آخری جنگ اور اسکے انجام کا قصہ زال کو کہہ سنانا اور میری ضعیف ماں کو بھی اچھی طرح سمجھا بجھا دینا۔ ان سے کہنا کہ۔

کس اندر جہاں جاودانہ نماند　　ز گردوں مرا خود بہانہ نماند

اگر سال گردد فزوں از ہزار　　ہمیں ست راہ و ہمیں ست کار

ہمہ مرگ رائیم پیر و جواں　　بگیتی نماند کسے جاوداں

اس تسکین و تلقین کے بعد جب زال کا غصہ کم اور غم کسی قدر غلط ہو جائے تو میری طرف سے عرض کرنا کہ اگر بادشاہ کو جنگ کے لیے اس کی امداد کی ضرورت ہو تو وہ ضرور مدد کرے اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرے۔ اسی طرح رستم ہر ایک کو مختلف ہدایتیں اور نصیحتیں کرتا رہا یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ پھر سب آرام کرنے لیٹ گئے اور دل ہی دل میں اپنی اپنی خیر مناتے رہے۔ صبح ہونے پر رستم پہلے ہی سے تیار ہو کر میدان جنگ میں آموجود ہوا اور اپنے حریف نبرد کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف رات اس طرح گزری کہ جب سہراب محفل آرائی میں مصروف تھا اور لوگوں سے اپنے کارنامے بیان کر رہا تھا تو اس نے خاص طور پر ہومان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میرا مقابل قد و قامت میں کسی طرح مجھ سے کم نہیں ہے اور شکل و مشابہت میں بہت کچھ مجھ سے ملتا جلتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک عجیب قسم کا اثر میرے دل پر ہوتا ہے۔ اور اسکے سامنے میری آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ مجھے اپنی ماں کی بتائی ہوئی ساری نشانیاں اس میں نظر آتی ہیں اور میرا دل اندر سے چپکے چپکے میرے کانوں میں کہتا ہے کہ یہی شخص تم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا یہ گمان حقیقت ہو اور میں اس سے لڑ کر عمر بھر کے لئے ساری دنیا کے سامنے ذلیل و خوار ہو جاؤں اور خالق مطلق کو بھی منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں"۔

نباید کہ من با پدر جنگ جوے
شوم خیرہ رد اندر آرم بروے
زداد آر گردم بسے شرمناک
سیہ رو روم از سر تیرہ خاک

ہومان نے سنبھل کر جواب دیا "میں نے رستم کو میدان جنگ میں کئی بار دیکھا ہے۔ یہ شخص رستم نہیں ہے۔ بے شک اس کا گھوڑا رستم کے گھوڑے سے بہت ملتا جلتا ہے۔ لیکن اس کا رخش نہیں ہے" ہومان کی بات پر سہراب کو اعتبار آ گیا۔ اور وہ ان خیالات کو دل سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر رات گئے تک اسی قسم کی بات چیت ہوتی رہی۔ اسکے بعد سہراب آرام کرنے چلا گیا۔ اور صبح ہونے پر رستم کے مقابلہ کے لیئے میدان جنگ میں جا پہونچا۔ وہ رستم سے لڑنے کے لیے بظاہر تیار تو تھا۔ لیکن اس کا دل کسی طرح اس پر ہاتھ اٹھانے یا اسکو قتل کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس نے رستم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "کہیئے کل رات کی جنگ کے متعلق کیا خیال ہے۔ بہتر تو یہ ہو کہ ہم دونوں مخالفت بھلا کر آپس میں مل بیٹھیں اور آیندہ لڑنے سے توبہ کریں۔ دوسرے اگر لڑنا چاہتے ہیں تو وہ بخوشی لڑیں۔ ہم ان کے بیچ میں بالکل دخل نہ دیں۔ تجھے دیکھ کر میرے دل میں کچھ عجیب قسم کا احساس اور جذبہ محبت پیدا ہوتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں۔ میں تیرا نام معلوم کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا ہوں لیکن اب تک کامیاب نہیں ہوا ہوں۔ جنگ میں مقابل ہو کر اپنا نام چھپانا اصول جوانمردی کے خلاف بات ہے لہذا تو خود ہی اپنا نام اور خاندان

مجھے صاف صاف بتا دے۔ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں تو رستم زابلی تو نہیں ہے"
رستم نے جواب میں کل کی بات یاد دلائی اور کہا "اس قسم کی فضول باتوں سے کیا مطلب آج کا دن تو کشتی اور مقابلہ کے لیئے مقرر ہوا تھا۔ پھر اس خرافات سے کیا فائدہ۔ میں کوئی دھوکہ باز یا بچہ نہیں ہوں بلکہ پوری طرح آج تجھ سے جنگ کے لیئے تیار ہوں"
غرضکہ صلح کی ہر ممکن کوشش پھر ناکامیاب رہی۔ آخر مجبور ہو کر سہراب گھوڑے سے اتر پڑا اور جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کے جسموں سے خون اور پسینہ کے نالے بہنے لگے سہراب نے مست ہاتھی کی طرح کمربند پکڑ کر رستم کو زمین سے اٹھا لیا اور پتلی زمین پر دے پٹکا، خنجر نکال لیا اور خاک و خون میں لت پت اسکے سینہ پر چڑھ بیٹھا سہراب رستم کا سر کاٹنا ہی چاہتا تھا کہ رستم کہنے لگا "ہمارے ملک کا رواج ہے کہ دشمن کو زیر کرنے کے بعد پہلی ہی مرتبہ اس کا سر نہیں کاٹا کرتے۔ بلکہ جب دوسری مرتبہ مقابلہ کے بعد اس کو گرا لیتے ہیں تو سر تن سے جدا کر دیتے ہیں" یہ سنتے ہی سہراب نے خنجر میان میں رکھ لیا۔ اور رستم کی بات پر اعتبار کرتے ہوئے اسکے سینہ سے اتر کھڑا ہوا۔ اور چلدیا۔
ہومان کو اس جنگ کے انجام کی بڑی فکر تھی۔ سہراب کو اس صورت سے آتا دیکھ کر وہ گھبرایا ہوا سہراب کے پاس پہونچا اور حال معلوم کرنے لگا۔ سہراب نے جو کچھ گزرا تھا صاف صاف بتا دیا۔ ہومان کو سہراب

کی اس غیر دانشمندانہ اور ناعاقبت اندیشانہ حرکت پر سخت افسوس ہوا
اور بجد مایوسانہ انداز میں وہ کہنے لگا۔

شیر کو پھندے میں پھانس کر چھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے
سمجھدار آدمی کبھی دشمن کو حقیر اور بیچارہ نہیں سمجھا کرتے۔ اب دیکھنا
اس حماقت کا کل کیا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

ہر برے کہ آوردہ بودی بدام — رہا کردی از دست و شد کار خام
نگہ کن کزیں بیہودہ کار کرد — چہ آرد بہ پیشت بدشت نبرد

ہومان کی مایوسیوں کو کم کرنے کے لیے سہراب نے اس کو
اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ وہ گھبرائے نہیں کل بھی اسکے ہاتھوں
رستم کا یہی انجام ہوگا لیکن ہومان کچھ مطمئن نہ ہوا۔

ادھر جب رستم سہراب سے جان بچا کر چلا تو اس کا برا حال ہو رہا
تھا۔ وہ سیدھا دریا کے کنارے پہونچا۔ سیر ہو کر پانی پینے اور اچھی طرح
نہاتے دھونے کے بعد اس نے خداوند کریم سے دعا کرنا شروع کی
کہ وہ اس کی پہلی طاقت اس کو واپس دیدے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے رستم کی
طاقت کا یہ حال تھا کہ وہ اگر کسی پہاڑی چٹان پر بھی قدم رکھتا تو اس کا
قدم پتھر میں دھنس جاتا تھا۔ اس کو چلنا پھرنا سخت مشکل ہوتا تھا چنانچہ
اس نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس کی طاقت کم ہو جائے اور وہ دعا
مقبول ہو گئی تھی۔ سہراب کے مقابلہ نے اس کو اپنی پچھلی طاقت یاد دلادی
اور اس نے نہایت عاجزی کے ساتھ ساری رات درگاہ خداوندی

میں دعا کی کہ اس کی گذشتہ طاقت اس کو واپس مل جائے۔ خدا نے اس کی درخواست منظور کر لی اور وہ پہلے ہی کی طرح طاقتور ہو گیا۔

دوسرے دن جب جنگ کا وقت آیا تو رستم دریا کے کنارے سے سیدھا میدان جنگ میں پہونچا۔ سہراب پہلے ہی سے وہاں موجود تھا اور نہایت شان سے ٹہل رہا تھا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے تو سہراب نے اکڑتے ہوئے کہا "اچھا تو پھر مقابلہ پر آگیا! کل تو مجھے تیرے بڑھاپے پر رحم آگیا تھا۔ لیکن آج تیری خیر نظر نہیں آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے تیرا دل بھر گیا ہے۔ جبھی تو شیروں سے مقابلہ کی ہمت کر رہا ہے۔"

رستم نے جواب دیا "یہ طرز کلام بہادروں کا نہیں ہے۔ جوانی نے تجھ کو اندھا کر رکھا ہے۔ خیر۔ دور کیا ہے۔ آج دیکھ لینا کہ اس بڈھے کے ہاتھوں تیرے سر پر کیا آفت آتی ہے۔"

چرا آمدی باز پیشم بگوے — سوئے راستی خود نداری تو روئے
همانا که از جان تو سیر آمدی — که در جنگ شیران دلیر آمدی
دو بارت امان دادم از کارزار — به پیریت بخشیدم اے نابکار
چنین داد پاسخ بدو پیلتن — که اے نامور گرد لشکر شکن
نگویند این گونہ مردان مرد — همانا جوانی ترا غره کرد
بہ بینی کزیں پیر مرد دلیر — چہ آید بدست تو اے نرہ شیر
هر آنگه که خشم آورد بخت شوم — شود سنگ خارا بکردار موم

اس گفت گو کے بعد دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے ایک طرف کو باندھ دیئے اور جنگ ہونے لگی۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں حملے کرتے رہے۔ آخر رستم نے بہتیرے سے سہراب کا سر اور گردن پکڑ کر ایسا زور دیا کہ سہراب بے قابو ہو کر نیچے آ رہا۔ رستم نے اس گھبراہٹ میں کہ شاید زیادہ دیر تک وہ سہراب کو زیر نہ رکھ سکے ایک دم خنجر کھینچ لیا اور اپنے ہی لختِ جگر کے پہلو کو چیر کر رکھ دیا۔

سبک تیغ تیز از میاں برکشید ۔ بر پور بیدار دل بر درید

سہراب بلبلا اٹھا اور اس کے منہ سے ایک آہ نکلی۔ وہ کہنے لگا: یہ سب اپنے کیے کا پھل ہے میری ماں نے میرے باپ کا جو پتہ مجھے بتایا تھا اس کی محبت سے مجبور ہو کر اپنے باپ کی تلاش میں یہاں تک پہونچا۔ لیکن افسوس کہ حسرت دل ہی کی دل میں رہ گئی۔ مجھے اس بری طرح اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے اور اس سے ملنا نصیب نہ ہوا لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تم زمین یا آسمان جہاں کہیں بھاگ کر جانے یا منہ چھپانے کی کوشش کرو گے۔ میرا باپ تم کو ڈھونڈ نکالے گا اور میرے خون کا بدلہ لیے بغیر تم کو نہ چھوڑے گا۔

کنون گر تو در آب ماہی شوی ۔ دگر چون شب اندر سیاہی شوی

وگر چون ستارہ شوی بر سپہر ۔ ببری ز روئے زمیں پاک مہر

بخواہد ہم از تو پدر کیں من ۔ چو بیند کہ خشت است بالین من

سہراب کے منہ سے یہ کلمے سنتے ہی رستم کی حواس مختل ہو گئے

اور ساری دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہوگئی۔ اسکے ہاتھ پاؤں بے قابو
ہوگئے اور وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔

چو بشنید رستم سرش خیره گشت		جہان پیش چشم اندرش تیره گشت
همی بے تن و تاب و بے توش گشت		بیفتاد از پائے و بیہوش گشت

ذرا ہوش آنے پر اس نے سہراب سے اپنے باپ کی نشانی مانگی اور
سخت پریشان حالی اور زار نالی میں اقرار کیا کہ بدنصیب رستم وہی ہے۔
یہ فقرہ سن کر سہراب کے ہوش اڑ گئے۔ اور وہ کہنے لگا: "اگر تو ہی
رستم ہے تو سخت تعجب ہے کہ اتنی بدخیالی میں تو نے میرا خون کیا۔ میں
برابر تیری رہنمائی کر رہا تھا اور بار بار تجھ سے دریافت کر رہا تھا۔ لیکن
افسوس کہ محبت پدری نے کسی وقت ذرا سا بھی جوش نہ مارا۔ اب اگر نشانی
دیکھنا چاہتا ہے تو میرے بازو پر اپنا مہرہ دیکھ لے اور باپ کے ہاتھوں
جو بیٹے پر گزری اس سے عبرت حاصل کر لے۔

زہر گونہ بودم ترا رہنما		نہ جنبید یک ذرہ مہرت زجا
کنون بند بکشائے از جوشنم		برہنہ ببین این تن روشنم
ببازوم بر مہرہ خود نگر		ببین تا چہ دید این پسر از پدر

جب میں گھر سے چلنے لگا تھا تو یہ مہرہ میری ماں نے میرے بازو
پر باندھ دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ تیرے باپ کی نشانی ہے۔ احتیاط
سے رکھنا کسی وقت کام آئے گا۔"

سہراب کے بازو پر اپنا مہرہ دیکھ کر رستم کا حال اور بھی تباہ ہوگیا۔

ہمی ریخت خون و ہمی کند موئے   سرش پر ز خاک و پر از آبروئے

اس پر سہراب نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح رونا مردوں کا کام نہیں ہے ۔ جو کچھ ہونا تھا سو ہوا اب خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے کیا فائدہ ۔

دوپہر تک جب رستم اپنے خیمہ گاہ میں واپس نہ پہونچا تو لوگ پریشان ہو کر حالات کا پتہ لگانے میدان جنگ میں آئے ۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک طرف دونوں گھوڑے کھڑے ہیں اور دوسری طرف رستم خاک و خون میں لوٹ رہا ہے ۔ رستم کو گھوڑے کی پیٹھ پر نہ دیکھ کر ان کو خیال ہوا کہ رستم مارا گیا گھبرائے ہوئے کاؤس کے پاس پہونچے اور اس کو صورت حال سے باخبر کیا ۔ سارے لشکر میں کہرام مچ گیا اور اپنی اپنی جان بچانے کی تدبیریں ہونے لگیں ۔

ادھر سہراب نے اپنے مرنے پر تورانیوں کے بے یار و مددگار ہو جانے پر رحم کھاتے ہوئے رستم سے درخواست کی کہ وہ اسکے خون کا بدلہ تورانیوں سے نہ لے ۔ کیونکہ ان کو تو اس ہی نے قدم قدم پہ ہمت بڑھا کر جنگ کے لیئے آمادہ کیا تھا ۔ اسے کیا خبر تھی کہ نتیجہ یہ ہونے والا ہے اور اپنے ہی باپ کے ہاتھوں اس کی قضا سر پر کھیل رہی ہے ۔

بگفتم اگر زندہ بیسم پدر   بگیتی نمانم کسے تاجور

چہ دانستم اے پہلو نامور   کہ باشد روانم بدست پدر ۔

پھر ہجیر کی ہرزہ کاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سہراب نے کہا کہ "اگر اس نے تیرا نام مجھ سے چھپایا تھا تو خیر لیکن خود مجھ کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنی ماں کی بتائی ہوئی سب علامتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور یقین نہ آتا تھا۔ میرا حشر یہی ہونا تھا کہ میں اپنے ہی باپ کے ہاتھوں مارا جاؤں۔"

چنین نوشتہ بُد اختر بسر | کہ من گشتہ گردم بدستِ پدر
چو برق آمدم رفتم اکنون چو باد | بمینو مگر بینمت باز شاد

رستم کا دم گھٹنے لگا۔ وہ بے تابی کے عالم میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور اپنے کیے پر خون جگر پیتا گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر میں پہونچا۔ اس کو زندہ واپس آتا دیکھ کر ایرانی بیحد خوش ہوئے لیکن اس کی خستہ حالی سے گھبرا گئے۔ رستم نے اپنی بربادی کا سارا قصہ ان کو سنایا اور آئندہ تورانیوں سے جنگ کرنے سے سب کو روک دیا۔

چنین گفت با سرفرازان کہ من | نہ دل دارم امروز گوئی نہ تن
شما جنگ ترکان بجوئید کس | کہ این بد کہ من کردم امروز بس

اس کے بعد رستم نے اپنے بھائی زوارہ کو ہومان کے پاس بھیجا کہ اس کی فوج کو لب دریا تک سلامتی کے ساتھ پہونچا آئے۔ اس کے بعد رستم مع دوسرے سرداروں کے پھر سہراب کے پاس گیا۔ اس کو دم توڑتا ہوا دیکھ کر زندگی سے ایسا تنگ آیا کہ خنجر کھینچ کر خودکشی پر آمادہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھی سردار جھپٹ پڑے۔ خاص طور پر گودرز نے اس کو

مارے جوش کے... پر سمجھا بجھا کر اس قسم کے ارادے سے باز رکھا۔

کچھ دیر بعد رستم کو نوشدارو کا خیال آیا کہ جو کاؤس کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس نے گودرز کو بادشاہ کے پاس بھیجا کہ سہراب کے لیے مانگ لائے۔ گودرز کاؤس کے پاس پہونچا اور سب حال بتا کر اس سے نوشدارو طلب کی۔ کاؤس نے اپنی تحقیر اور سہراب کی وہ تقریر یاد کر کے کہ جو اس نے ایران کو تہ و بالا کرنے کے متعلق کی تھی، نوشدارو دینے سے انکار کر دیا۔ گودرز نے الٹے پاؤں واپس آکر رستم کو سارا حال بتایا۔ رستم سخت مایوس ہوا۔ اور سہراب کو ایک زرنگار چادر پر لٹا کر خود بادشاہ کو سمجھانے اور اس سے کسی نہ کسی طرح نوشدارو حاصل کرنے چلا۔ وہ راستہ ہی میں تھا کہ کسی نے پیچھے سے دوڑتے ہوئے آکر کہا کہ سہراب تو چل بسا۔

کہ سہراب شد زیں جہان فراخ	ہمی از تو تابوت خواہد نہ کاخ

یہ سن کر رستم کی حالت اور بھی بگڑ گئی۔ وہ بیقرار ہو کر گھوڑے سے اتر پڑا اور بری طرح ماتم کرنے لگا۔

چو بشنید رستم خرو شید و روئے	ہمی زد بسینہ ہمی کند موئے
ہمی گفت زار اے سرہ جوان	سرفراز داز تخمۂ پہلوان
نہ بیند چو تو نیز خورشید ماہ	نہ جوشن نہ خود و نہ تخت و کلاہ
کرا آمد این پیش کامد مرا	کہ فرزند کشتم بہ پیران سرا
بہ میدان دو دستم سزاوار ہست	جز از خاک تیرہ مبادم نشست

بہ گیتی نہ کشتہ است فرزند را دلیر و جوان و خردمند را

زر نگار چادروں میں لپیٹ کر سہراب کو تابوت میں رکھا گیا اور اس کو لے کر خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ سہراب کا تابوت آتا دیکھ کر وہاں بھی قیامت برپا ہوگئی۔ رستم نے وہاں پہونچکر اپنا تمام سازوسامان اسلحہ جنگ و دیگر اسباب خانہ داری سب کا سب نذر آتش کر دیا۔ اور سہراب کی خوبیوں کو یاد کر کے بری طرح آہ و بکا کرنے لگا۔

جہاں پہلوان تو دیگر نہ بیند سوار بمردی و گردی گہ کارزار

دریغ آن ہمہ مردی ورائے تو دریغ آن رخ و برز و بالائے تو

ہمی ریخت خوں و ہمی کند خاک بہ تن جامہ خسروی کرد چاک

کاؤس کو جب سہراب کے جاں بحق ہونے کی خبر ملی تو وہ خود مع لشکر کے دلجوئی اور تعزیت کے لیئے رستم کے خیمہ گاہ پر پہونچا۔ اور رستم کو سمجھانے لگا۔

چہ سازی و درماں این کار چیست برین رفتہ تا چند خواہی گریست

تقدیر سے بھلا کون لڑ سکتا ہے اور آنسوؤں سے قسمت کا لکھا دھلا نہیں کرتا۔

جب رستم کا دل کسی قدر ٹھہرا تو اس نے سہراب کی وصیت کے مطابق کاؤس سے تورانیوں کے خلاف دل سے بغض و کینہ نکال دینے کی سفارش کی۔ بادشاہ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور اس طرح ایرانی اور تورانی دونوں فوجیں اپنے اپنے تخت گاہوں کی طرف روانہ ہوگئیں

دوسرے دن صبح رستم سہراب کا تابوت لے کر زابلستان روانہ ہوا۔ راستہ ہی میں زال بھی آ کر شریک ماتم ہو گیا۔ باپ کو دیکھ کر رستم کا دل پھر بھر آیا۔ اور دونوں بری طرح رونے لگے۔

جب تابوت گھر پہونچا۔ تو اس کو دیکھ کر رودابہ کا حال ناقابل بیان تھا۔ پھر تابوت باہر لا کر اور اس کے تختے ہٹا کر سہراب کا منہ سب کو دکھایا گیا۔ ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں آسمانوں سے ٹکرانے لگیں۔

جہان جہان جامہ کردند چاک   با بر اندر آمد سر گرد و خاک

آخر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ تابوت دوبارہ بند کر کے سپرد خاک کر دیا گیا اور اس پر ایک شاندار عمارت بطور یادگار تعمیر کر دی گئی۔

جہان سر بسر بر ز تیمار گشت   ہر آنکس کہ بشنید غمخوار گشت

اس حادثہ جانکاہ کی خبر جب توران پہونچی اور وہاں سے سمنگان، بالخصوص تہمینہ کے کانوں تک پہونچی تو وہ ایک دم پاگل ہو گئی اس کی رگ رگ، رگ بلبلا اٹھی۔ اور دماغ کا توازن بگڑ گیا اس نے اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے اور بے تحاشا روتی پیٹتی آگ میں جا کودی۔ لوگ جھپٹ پڑے اور اس کو آگ سے نکالا۔ اس نے اپنی آنکھیں نوچ ڈالیں۔ بال نوچ کر پھینک دیئے۔ اور سارا بدن لہولہان کر لیا۔

خروشید و جوشید و جامہ درید
بزاری بر آن کودک نار سید

اس کا بین و شیون لوگوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ وہ ہر طرف سر کو پٹختی تھی اپنے ہی دانتوں سے اپنے بازو نوچتی تھی اور بے قرار ہو ہو کر چلاتی تھی کہ "اے جان مادر تو کہاں چلا گیا۔ یہاں تو یہ انتظار تھا کہ تو باپ سے مل کر خوش خوش آتا ہو گا۔ یہ کیا خبر تھی کہ تو اسی کے خنجر کا شکار ہونے گیا ہے۔ افسوس کہ اس کو تیری بھولی صورت اور چڑھتی جوانی پر بھی رحم نہ آیا۔ افسوس میں نے کس ناز برداری سے تجھ کو پالا پوسا تھا اور دن رات کس دل سوزی سے تیری نگہداری کی تھی۔ اب میں کس کو گلے سے لگاؤں گی اور کس کو اپنا حال دل سناؤں گی۔ میرے پیارے بچے۔ وہ سب نشانیاں کہاں گئی تھیں جو میں نے رستم کی تجھ کو بتائی تھیں۔ جب رستم نے تجھ پر خنجر اٹھایا تو تو نے اپنے بازو کی نشانی اس کو دکھا کیوں نہ دی۔" پھر کہنے لگی "آخر میں نے تجھ کو تنہا جانے ہی کیوں دیا اور میں خود ساتھ کیوں نہ گئی۔ کہ مجھ کو دیکھ کر رستم دور ہی سے پہچان جاتا۔ اور تجھ پر کبھی ہاتھ نہ اٹھاتا"

ہمی گفت کاے جان مادر کنوں	کجائی سرشتہ بخاک و بخوں
غریب و اسیر و نژند و نزاد	بخاک اندرون آن تن نامداد
دو چشمم بره بود گفتم مگر	ز سهراب و رستم بیابم خبر
چه دانستم اے پور کاید خبر	که رستم بخنجر دریدت جگر

غرضکہ تہمینہ بے تاب ہو ہو کر چیخ رہی تھی اور اس کے آنسو کسی طرح نہ تھمتے تھے۔ چاروں طرف لوگ جمع تھے اور اسکے شریک ماتم تھے۔

وہ روتے روتے بیہوش ہو جاتی تھی اور ہوش آنے پر پھر اسی طرح شور و شیون کرنے لگتی تھی۔

سہراب کا گھوڑا جب اسکے سامنے آیا تو وہ بے چین ہو کر اس سے لپٹ گئی اور اس کے سر اور آنکھوں کو ہزاروں بوسے دیئے کبھی اس کے قدموں سے لپٹ جاتی تھی اور اس کے نعل اپنی آنکھوں سے لگاتی تھی۔ کبھی اپنے آنسوؤں سے اسکے سموں کو دھوتی تھی۔ اسی طرح سہراب کے کپڑے جب اسکے ہاتھ آئے تو کبھی اس نے ان کو سینہ سے لگایا اور کبھی اسکے جنگی ہتھیاروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنے آپ کو ہلکان اور لہولہان کیا۔ اس نے اپنا سارا گھر تہ و بالا کر ڈالا اور پورا سال اسی کیفیت میں گزارا۔ آخر کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی کے دن پورے کر کے سہراب کی موت کے سال بھر بعد وہ بھی اس سے جا ملی۔

سرانجام ہم در غم او بمرد
روانش بشد سوئے سہراب گرد

بسم الله الرحمن الرحیم

(انتخاب از شاهنامهٔ فردوسی)

بنام خداوند جان و خرد
کزین برتر اندیشه برنگذرد

خداوند نام و خداوند جای
خداوند روزی ده رهنمای

خداوند کیهان و گردان سپهر
فروزندهٔ ماه و ناهید و مهر

ز نام و نشان و گمان برترست
نگارندهٔ بر شده گوهرست

به بینندگان آفریننده را
نبینی مرنجان دو بیننده را

نیابد بدو نیز اندیشه راه
که او برتر از نام و از جایگاه

سخن هر چه زین گوهران بگذرد
نیابد بدو راه جان و خرد

خرد را و جان را همی سنجد او
در اندیشهٔ سخته کی گنجد او

ستودن نداند کس او را چو هست
میان بندگی را ببایدت بست

خرد گر سخن برگزیند همی
همان را گزیند که بیند همی

بدین آلت و رای و جان و روان
ستود آفریننده را کی توان

بهستیش باید که خستو شوی
ز گفتار بیکار یکسو شوی

پرستنده باشی و جوینده راه
بفرمانها ژرف کردن نگاه

توانا بود هر که دانا بود
ز دانش دل پیر برنا بود

ازین پرده برتر سخن گاه نیست
بهستیش اندیشه را راه نیست

---

۱ پشم ۲ سنجیده ۳ اعتراف کننده

در ستائش پیغمبر و یارانش

اگر دل نخواهی که باشد نژند — نخواهی که دائم بوی مستمند

چو خواهی که یابی ز هر بد رها — سر اندر نیاری بدام بلا

بوی در دو گیتی ز بد رستگار — نکونام باشی بر کردگار

بگفتار پیغمبرت راه جوی — دل از تیرگیها بدین آب شوی

ترا دین و دانش رهاند درست — ره رستگاری ببایدت جست

چه گفت آن خداوند تنزیل و وحی — خداوند امر و خداوند نهی

که خورشید بعد از رسولان مه — نتابید بر کس ز بوبکر به

عمر کرد اسلام را آشکار — بیاراست گیتی چو باغ بهار

پس از هر دو آن بود عثمان گزین — خداوند شرم و خداوند دین

چهارم علی بود جفت بتول — که او را بخوبی ستاید رسول

که من شهر علمم علیم در ست — درست این سخن قول پیغمبرست

گواهی دهم کین سخن راز اوست — تو گوئی دو گوشم پر آواز اوست

بدان باش کو گفت زان برگرد — چو گفتار در رایت نیارد بدرد

علی را چنین گفت و دیگر همین — کز ایشان قوی شد بهر گونه دین

نبی آفتاب و صحابان چو ماه — بهم بستهٔ یکدگر راست راه

حکیم این جهان را چو دریا نهاد — برانگیخته موج ازو تند باد

چو هفتاد کشتی برو ساخته   همه بادبانها برافراخته

یکی پهن کشتی بسان عروس   بیاراسته همچو چشم خروس

محمد بدو اندرون با علی   همان اهل بیت نبی و وصی

خردمند کز دور دریا بدید   کرانه نه پیدا و بن ناپدید

بدانست کو موج خواهد زدن   کس از غرق بیرون نخواهد شدن

بدل گفت اگر با نبی و وصی   شوم غرقه دارم دو یار وفی

همانا که باشد مرا دستگیر   خداوند تاج و لوا و سریر

خداوند جوی می و انگبین   همان چشمهٔ شیر و ماء معین

اگر چشم داری بدیگر سرای   بنزد نبی و وصی گیر جای

گرت زین بد آید گناه منست   چنین است آیین و راه منست

دلت گر براه خطا مایل است   ترا دشمن اندر جهان خود دل است

نباشد جز از بی پدر دشمنش   که یزدان بآتش بسوزد تنش

نگر تا نداری ببازی جهان   نه برگردی از نیک پی همرهان

همان نیکیت باید آغاز کرد   چو با نیک نامان بوی در نبرد

نکوئی بهر جا چو آید بکار   نکوئی گزین و ز بدی شرم دار

ازین در سخن چند رانم همی   همانا کرانش ندانم همی

داستان رستم و سهراب

کنون رزم سهراب و رستم شنو   دگرها شنیدستی این هم شنو

یکے داستانست پُر آب چشم | دل نازک از رستم آید بخشم

اگر تند بادے برآید ز کنج | بخاک افگند نارسیده ترنج

ستمگاره خوانمش ار دادگر | هنرمند گویمش ار بے هنر

اگر مرگ دادست بیداد چیست | ز داد این همه بانگ فریاد چیست

ازین راز جان تو آگاه نیست | بدین پرده اندر ترا راه نیست

همه تا در آز رفته فراز | بکس وانشد این در آز باز

برفتن مگر بهتر آیدت جائے | چو آرام گیری بدیگر سرائے

اگر مرگ کس را نیو باردی | ز پیر و جوان خاک بسپاردی

اگر آتشے گاه افروختن | بسوزد عجب نیست زو سوختن

بسوزد چو در سوزش آید درست | چو شاخ نو از بیخ کهنه برست

دم مرگ چون آتش هولناک | ندارد ز برنا و فرتوت باک

جوان را چه باید بگیتی طرب | که نے مرگ را هست پیری سبب

درین جائے رفتن نه جائے درنگ | بر اسپ قضا گر کشد مرگ تنگ

چنان دان که دادست بیداد نیست | چو داد آمدش بانگ فریاد چیست

جوانی و پیری بنزد اجل | یکے دان چو در دین نخواهی خلل

دل از نور ایمان گر آگنده | ترا خامشی به که تو بنده

پرستش همان پیشه کن با نیاز | همه کار روز پسین را بساز

برین کار یزدان ترا راز نیست | اگر دیو با جانت انباز نیست

لہ خود بمردے

گیتی دران کوش چون بگذری ・ سرانجام اسلام با خود بری
کنون رزم سهراب گویم درست ・ ازان کین که او با پدر چون بجست

رفتن رستم به شکار و رسیدنش نزد شاه سمنگان

ز گفتار دهقان یکی داستان ・ بپیوندم از گفته باستان
ز موبد بران گونه برداشت یاد ・ که رستم برآراست از بامداد
غمی بد دلش ساز نخچیر کرد ・ کمر بست و ترکش پر از تیر کرد
برفت و بر رخش اندر آورد پای ・ برانگیخت آن پیل پیکر ز جای
سوی مرز توران بنهاد روی ・ چو شیر دژ آگاه نخچیر جوی
چو نزدیکی مرز توران رسید ・ بیابان سراسر پر از گور دید
برافروخت چون گل رخ تاج بخش ・ بخندید و از جای برکرد رخش
به تیر و کمان و بگرز و کمند ・ بیفگند بر دشت نخچیر چند
ز خار و ز خاشاک و شاخ درخت ・ یکی آتشی برفروزید سخت
چو آتش پراگنده شد پیلتن ・ درختی بجست از در بابزن
یکی نره گوری بزد بر درخت ・ که در چنگ او پر مرغی نسخت
چو بریان شد از هم بکند و بخورد ・ ز مغز استخوانش برآورد گرد
پس آنگه خرامان بشد نزد آب ・ چو سیراب شد کرد آهنگ خواب
بخفت و برآسود از روزگار ・ چمان و چران رخش در مرغزار
سواران ترکان تنی هفت و هشت ・ بدان دشت نخچیر گه برگذشت
پی رخش دیدند در مرغزار ・ بگشتند گرد لب جویبار

پیشوای آتش پرستان

چو در دشت مر رخش را یافتند — سوی بند کردنش بشتافتند
سواران ز هر سو بر او تاختند — کمند کیانی در انداختند
چو رخش آن کمند سواران بدید — چو شیر ژیان آنگهی بر دمید
یکی را بدندان سر از تن گسست — دو کس را بزخم لگد کرد پست
سه تن کشته شد زان سواران چند — بیامد سر رخش جنگی به بند
گرفتند و بردند پویان بشهر — همی هر کس از رخش جستند بهر
بسوی فیایهٔ گشتیدند رخش — بدان تا بیابند از رخش تخش
شنیدم که چهل مادیان گشن کرد — یکی تخم برداشت از وی بدرد
چو بیدار شد رستم از خواب خوش — بکار آمدش باره دستکش
بدان مرغزار اندرون بنگرید — ز هر سو همی بارگی را ندید
غمی گشت چون بارگی را نیافت — سراسیمه سوی سمنگان شتافت
همیگفت کاکنون پیاده دوان — کجا پویم از ننگ تیره روان
ابا ترکش و گرز بسته میان — چنین ترگ و شمشیر و ببر بیان
بیابان چگونه گذاره کنم — ابا جنگ جویان چه چاره کنم
چه گویند ترکان که رخش که برد — تهمتن بدینسان بخفت و بمرد
کنون رفت باید به بیچارگی — بغم دل نهادن بیکبارگی
همی بست باید سلیح و کمر — بجایی نشانش بیابم مگر
به پشت اندر آورد زین و لگام — همیگفت با خود یل نیکنام
چنین است رسم سرای درشت — گهی پشت زین و گهی زین به پشت

---

۱ گله اسپ ۲ ا[illegible] ۳ اسپ ۴ کلاه آهنی ۵ جامه که رستم روز جنگ می پوشید ۶ ا[illegible] ۷ سلاح

پی رخش برداشت ره برگرفت — پس اندیشها در دل اندر گرفت

چو نزدیک شهر سمنگان رسید — خبر زو بشاه و بزرگان رسید

که آمد پیاده گو تاج بخش — به نخچیرگه زو رمیده است رخش

پذیره[۱] شدندش بزرگان و شاه — کسی کو بسر بر نهادی کلاه

همی گفت هر کس که این رستم است — و یا آفتاب سپیده دم است

پیاده بشد پیش او زود شاه — برو انجمن شد ز ردان سپاه

بدو گفت شاه سمنگان چه بود — که یارست با تو نبرد آزمود[۲]

درین شهر ما نیک خواه توایم — ستاده بفرمان و راه توایم

تن و خواسته زیر زبان تست — سر ارجمندان و جان آن تست

چو رستم بگفتار او بنگرید — ز بدها گمانیش کوتاه دید

بدو گفت رخشم بدین مرغزار — ز من دور شد بے لگام و فسار[۳]

کنون تا سمنگان نشان پی است — ازان سر کجا جویبار و نی است

ترا باشد ار باز جوئی سپاس — بیابی تو پاداش نیکی شناس

ور ایدون[۴] که رخشم نیاید پدید — سران را بسے سر بخواهم برید

بدو گفت شاه اے سرفراز مرد — نیارد کسے با تو این کار کرد

تو مهمان من باش و تندی مکن — بکام تو گردد سراسر سخن

یک امشب بمی شاد داریم دل — و ز اندیشه آزاد داریم دل

که تیزی و تندی نیاید بکار — بنرمی برآید ز سوراخ مار

همی رخش رستم نماند نهان — چنان بارهٔ نامور در جهان

---

۱ استقبال کردند ۲ زدومال ۳ گھوڑے کے سر پر لگانے کا چمڑے کا ساز و سامان۔ ۴ اکنون۔ الحال

بجوئیم رخشت بیاریم زود | ایا پر ہنر مرد کار آزمود
تہمتن ز گفتار او شاد شد | روانش ز اندیشہ آزاد شد
سزا دید رفتن سوے خان اوے | شد از مژدہ دل شادمہمان اوے
اگر باز یابد درخش خویش | سعادت بود بہرہ زد بخش خویش
سپہبد در اد او در کاخ جائے | ہمی بود در پیش او بر بپائے
ز شہر و ز لشکر سران را بخواند | سزادار با او برامش نشاند
بفرمود خوالیگران را کہ خوان | بیارند و بنہند پیش گوان
یکے بزم خسرم بیاراستند | ز ترکان چینی قدح خواستند
گسارندہ بادہ و رود و ساز | سیہ چشم گلرخ بتان طراز
نشستند بارود سازان بہم | بدان تا تہمتن نباشد دژم
چو شد مست ہنگام خواب آمدش | ہمی از نشستن شتاب آمدش
سزاوار او جاے آرام و خواب | بیاراست بنہاد مشک و گلاب
بر آسود رستم بر خوابگاہ | غنودہ شد از بادہ و رنج راہ

آمدن تہمینہ دختر شاہ سمنگان نزد رستم و بزنی گرفتن رستم او را

چو یک بہرہ زان تیرہ شب در گذشت | شباہنگ بر چرخ گردان گذشت
سخن گفتن آمد نہفتہ براز | در خوابگہ نرم کردند باز
یکے بندہ شمع معنبر بدست | خرامان بیامد ببالین مست
پس بندہ اندر یکے ماہروئے | چو خورشید تابان پر از رنگ و بوئے

۱؎ سرلشکر ۲؎ طباخ و خوان سالار ۳؎ افسردہ و رنجور

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند　　به بالا بکردار سرو بلند

دو رخ چون گلستان سوسن سرشت　　دو شمشاد عنبر فروش از بهشت

بناگوش تابنده خورشید وار　　فرو هشته زو حلقهٔ گوشوار

لبان از طبرزد زبان از شکر　　دهانش مکلل بدر و گهر

ستاره نهان کرده زیر عقیق　　تو گفتی دراز بهره آمد رفیق

روانش خرد بود و تن جان پاک　　تو گفتی که بهره ندارد ز خاک

ازو در شد شیر دل خیره ماند　　برو بر جهان آفرین را بخواند

بپرسید ازو گفت نام تو چیست　　چه جوئی شب تیره کام تو چیست

چنین داد پاسخ که تهمینه ام　　تو گوئی که از غم بدو نیم ام

یکی دخت شاه سمنگان منم　　ز پشت هژبر و پلنگان منم

بگیتی ز شاهان مرا جفت نیست　　چو من زیر چرخ برین اندکیست

کس از پرده بیرون ندیده مرا　　نه هرگز کس آوا شنیده مرا

بکردار افسانه از هر کسے　　شنیدم همی داستانت بسے

که از دیو و شیر و پلنگ و نهنگ　　نترسی و هستی چنین تیز چنگ

شب تیره تنها به توران شوی　　بگردی در آن مرز و هم بغنوی

بتنها یکی گور بریان کنی　　هوا را به شمشیر گریان کنی

هر آنگه که گرز تو بیند بجنگ　　بدرد دل شیر و چرم پلنگ

برهنه چو تیغ تو بیند عقاب　　نیارد به نخچیر کردن شتاب

نشان کمند تو دارد هژبر　　ز بیم سنان تو خون بارد ابر

چنین داستانها شنیدم ز تو　　بسے لب بدندان گزیدم ز تو

بجستم همی کفت یال[1] و برت[2] — بدین شهر کرد ایزد آبشخورت
ترا ام کنون گر بخواهی مرا — نه بیند همی مرغ و ماهی مرا
یکی آنکه بر تو چنین گشته ام — خرد را ز بهر هوا کشته ام
و دیگر که از تو مگر کردگار — نشاند یکی کودکم در کنار
مگر چون تو باشد بمردی و زور — سپهرش دهد بهره کیوان و هور[3]
سه دیگر که رخشت بجای آورم — سمنگان همه زیر پای آورم
سخنهای آن ماه آمد به بن[4] — تهمتن سراسر شنید آن سخن
چو رستم بدانسان پریچهره دید — ز هر دانشی نزد او بهره دید
دگر آنکه از رخش داد آگهی — ندید ایچ فرجام جز فرهی
برخویش خواندش چو سرو روان — خرامان بیامد بر پهلوان
بفرمود تا موبدی پر هنر — بیاید بخواهد ورا از پدر
بشد دانشومند نزدیک شاه — سخن گفت از پهلوان سپاه
خبر چون بشاه سمنگان رسید — ازان شادمانی دلش بردمید
ز پیوند رستم دلش شاد گشت — بسان یکی سرو آزاد گشت
بدان پهلوان داد آن دخت خویش — بدانسان که بودست آئین و کیش
بخشنودی و رای و فرمان اوی — بخوبی بیاراست پیمان اوی
چو بسپرد دختر بدان پهلوان — همه شاد گشتند پیر و جوان
بشادی همه جان برافشاندند — بران پهلوان آفرین خواندند
که این ماه نو بر تو فرخنده باد — سر بدسگالان تو کنده باد
چو انباز او گشت با او براز — ببود آن شب تیرهٔ دیر باز

---

[1] شانه [2] گردن و بازو [3] آفتاب [4] سجت

ز شبنم شد آن غنچهٔ تازه بر — و یا جعبهٔ لعل شد پر ز دُر
بکام صدف قطره اندر چکید — میانش یکے گوهر آمد پدید
بدانست رستم که او بر گرفت — تهمتن بدل مهرش اندر گرفت
ببازوے رستم یکے مهره بود — که آن مهره اندر جهان شهره بود
بدو داد گفتش که این را بدار — اگر دختر آرد ترا روزگار
بگیر و بگیسوے او بر بدوز — به نیک اختر و فال گیتی فروز
ور ایدون که آید ز اختر پسر — به بندش ببازو نشانِ پدر
ببالاے سامِ نریمان بود — بمردی و خوے کریمان بود
فرود آرد از ابر پران عقاب — نتابد به تندی برو آفتاب
ببازی شمارد همی رزم شیر — نپیچد سر از رزم پیل دلیر
همی بود آن شب بر ماهروے — همیگفت از هر سخن پیش اوے
چو خورشید تابنده شد بر سپهر — بیارا ست روے زمین را بمهر
به پدرود کردن گرفتش به بر — بسے بوسه دادش بچشم و بسر
پریچهره گریان ازو بازگشت — ابا انده و درد انباز گشت
بر رستم آمد گرانمایه شاه — بپرسیدش از خواب آرامگاه
چو این گفته شد مژده دادش برخش — ازو شادمان شد دل تاج بخش
بیامد بمالید و زین بر نهاد — شد از رخش رخشان و از شاه شاد
واز انجا سوے سیستان شد چو باد — وزین داستان کرد بسیار یاد
وز انجا سوے زابلستان کشید — کسے را نه گفت انچه دید و شنید

گفتار اندر زادن سهراب و دریافتن نژاد خود از مادر ۔

چو نه ماه بگذشت بر دخت شاه ‌‌ ‌‌ یکے کودک آمد چو تابنده ماه

تو گفتی گو پیلتن رستم است ‌‌ ‌‌ و یا سام شیر است یا نیرم است

چو خندان شد و چهره شاداب کرد ‌‌ ‌‌ ورا نام تهمینه سهراب کرد

چو یک ماه شد همچو یک سال بود ‌‌ ‌‌ برش چون بر رستم زال بود

چو سه ساله شد ساز میدان گرفت ‌‌ ‌‌ به پنجم دل شیر مردان گرفت

چو ده ساله شد زان زمین کس نبود ‌‌ ‌‌ که یارست با او نبرد آزمود

به تن همچو پیل و بچهره چو خون ‌‌ ‌‌ سطبرش دو بازو بسان ستون

به نخچیر شیران برون تاختی ‌‌ ‌‌ ببازی همه رزم شان ساختی

به تگ در دویدے پے باد پاے ‌‌ ‌‌ گرفتی دم اسپ ماندے بجاے

بر مادر آمد بپرسید از وی ‌‌ ‌‌ بدو گفت گستاخ با من بگوی

که من چون ز همشیرگان برترم ‌‌ ‌‌ همی باسمان اندر آید سرم

ز تخم کیم وز کدامین گهر ‌‌ ‌‌ چه گویم چو پرسد کسے از پدر

گر این پرسش از من بماند نهان ‌‌ ‌‌ نمانم ترا زنده اندر جهان

چو بشنید تهمینه گفت ای جوان ‌‌ ‌‌ بترسید[۱] ازان نامور پهلوان

بدو گفت مادر که بشنو سخن ‌‌ ‌‌ بدین شادمان باش و تندی مکن

تو پور گو پیلتن رستمی ‌‌ ‌‌ ز دستان سامے و از نیرمے

از ایرا[۲] سرت ز آسمان برتر است ‌‌ ‌‌ که تخم تو زان نامور گوهر است

جهان آفرین تا جهان آفرید ‌‌ ‌‌ سواری چو رستم نیامد پدید

---

۱ زریان ۔ ۲ ازین رو

دل شیر دارد تنِ ژنده پیل ‌‌‌‌ نهنگان برآرد ز دریای نیل

چو سام نریمان بگیتی نبود ‌‌‌‌ سرش را نیارست گردون بسود

یکی نامه از رستم جنگجوی ‌‌‌‌ بیاورد و بنمود پنهان بدوی

سه یاقوت رخشان و سه بدره زر ‌‌‌‌ کز ایران فرستاده بودش پدر

بدانگه که او زاده بودی ز مام ‌‌‌‌ فرستاده بودش پدر با پیام

نگه کن تو آن را بخوبی نگر ‌‌‌‌ که بابت فرستاده ای پُر هنر

بزد گر بداری کنون یادگار ‌‌‌‌ همانا که باشد ترا این بکار

پدر گر بداند که تو زین نشان ‌‌‌‌ شدستی سرافراز گردنکشان

همانگه بخواندت بنزدیک خویش ‌‌‌‌ دلِ مادرت گردد از درد ریش

دگر گفت کافراسیاب این سخن ‌‌‌‌ نباید که داند ز سر تا به بن

که او دشمن نامور رستم است ‌‌‌‌ بتوران زمین زو همه ماتم است

مبادا که گردد بتو کینه خواه ‌‌‌‌ ز خشمِ پدر بود سازد تباه

چنین گفت سهراب کاندر جهان ‌‌‌‌ ندارد کسی این سخن را نهان

نبرده نژادی که چونین بود ‌‌‌‌ نهان کردن از من چه آیین بود

نهانی چرا داشتی از من این ‌‌‌‌ نژادی با آیین و با آفرین

بزرگان جنگ آور از باستان ‌‌‌‌ ز رستم زنند این زمان داستان

کنون من ز ترکان جنگ آوران ‌‌‌‌ فراز آورم لشکری بیکران

برانم بایران زمین کینه خواه ‌‌‌‌ همی گرد کینه برآرم به ماه

برانگیزم از گاه کاؤس را ‌‌‌‌ از ایران ببرّم پی طوس[1] را

نه گودرز مانم نه نیکو سران ‌‌‌‌ نه گردان جنگی و نام آوران

---

[1] سردارے از لشکر کاؤس۔

برستم دہم گنج و تخت و کلاہ   نشانش برگاہ کاؤس شاہ
از ایران بتوران شوم جنگجوے   ابا شاہ روے اندر آرم بروئے
بگیرم سر تخت افراسیاب   سر نیزہ بگذارم از آفتاب
ترا بانو شہر ایران کنم   بجنگ اندرون کار شیران کنم
چو رستم پدر باشد و من پسر   بگیتی نماند کسے تاجور
چو روشن بود روے خورشید و ماہ   ستارہ چرا بر فرازد کلاہ

گزیدن سہراب اسپ را و لشکر کشیدنش بجنگ کاؤس

بمادر چنین گفت سہراب گو[1]   کہ نیکو شود کار ما نو بہ نو
کہ خواہم شدن سوے ایران زمین   کہ تا بینم آن باب با آفرین
یکے اسپ باید مرا گام زن   سم از فولاد و خارا شکن
چو پیلان بزور و چو مرغان بہ پر   چو ماہی بہ بحر و چو آہو بہ بر
کہ برگیرد این گرز و گوپال[2] من   ہمی پہلوانے بر و یال من
پیادہ نشاید شدن جنگجوے   چو با خصم روے اندر آرم بروئے
چو بشنید مادر چنین از پسر   بخورشید تابان برآورد سر
بچوپان بفرمود تا ہرچہ بود   فسیلہ[3] بیارد بکردار دود
کہ سہراب اسپے بچنگ آورد   کہ بروے نشیند چو جنگ آورد
ہمہ ہرچہ بودند اسپان گلہ[4]   کہ بودے بکوہ و بصحرا یلہ[5]
بشہر آوریدند و سہراب شیر   کمندے گرفتہ و بیامد دلیر
ہر اسپے کہ دیدے بہ نیروے یال   کمندے بگردنش خم دوال[6]

[1] پہلوان [2] گرز کی ایک قسم [3] گلۂ اسپ [4] گلہ [5] رہا کردہ شدہ [6] تسمہ رکاب وغیرہ

نہادی بر دوست را آزمون   شکم بر زمین بر نہادے هیون
نبودش بسے اسپ زیبا شکست   نیامدش شایستہ اسپے بدست
نبد هیچ اسپے سزاوار اوے   بہ بد تنگدل آن گو نامجوے
سرانجام گروے ازان انجمن   بیامد بنزدیک آن پیل تن
کہ دارم یکے کرہ رخشش نژاد   برفتن چو تیر و بپویہ چو باد
بزور و برفتن بکردار هوار   ندیدست کس همچنان تیز رور
ز زخم سمش گاو ماہی ستوه   بجستن چو برق و بہیکل چو کوه
یکے کرہ چون کوہ و وادی سپیر   بصحرا بپوید چو مرغے بہ پر
بکہ بر دوندہ بسان کلاغ[1]   بدریا بجر دار ماہے[2] دماغ
بصحرا رود همچو تیر از کمان   رسد چون شود از پئے بد گمان
شد شاد سہراب از گفت مرد   بخندید و رخسارہ شاداب کرد
بہ بردند آن چرمۂ خوب رنگ   بنزدیک سہراب یل[3] بید رنگ
بگردشش بہ نیروی خود آزمون   قوی بود شایستہ آمد هیون
نوازید و مالید و زین برنہاد   برو بر نشست آن یل نیو زاد
در آمد بزین چون کہ بے ستون   گرفتش یکے نیزۂ چون ستون
چنین گفت سہراب با آفرین   کہ چون اسپ آمد بدست اینچنین
من اکنون بباید سواری کنم   بہ کاؤس بر روز تارے کنم
بگفت این و آمد سوے خانہ باز   همی جنگ ایرانیان کرد ساز
ز هر سو سپہ شد بر او انجمن   کہ هم با گہر بود و هم تیغ زن

---

[1] زاغ دشتی [2] قسمے از مرغابی [3] پہلوان و شجاع

به پیش نیا شد بخواهشگری | وزو خواست دستوری و یاوری
چو شاه سمنگان چنان دید باز | ببخشید او را ز هر گونه ساز
ز تاج و ز تخت و کلاه و کمر | ز اسپ و ز اشتر ز زر و گهر
ز خفتان رومی و ساز نبرد | شگفتید از ان کودک شیرخورد
بداد و دلش دست را بر کشاد | همه ساز و آئین شاهان نهاد
خبر شد بنزدیک افراسیاب | که افگند سهراب کشتی بر آب
یکی لشکری شد برو انجمن | همی سرفرازد چو سرو چمن
هنوز از دهن بوی شیر آیدش | همی رای شمشیر و تیر آیدش
زمین را بخنجر بشوید همی | کنون رزم کاؤس جوید همی
سپاه انجمن شد برو بر بسی | نیاید همی یادش از هر کسی
سخن زین درازی چه باید کشید | هنر برتر از گوهر آمد پدید
کسی کو نژاد تهمتن بود | نباشد گمان کو فروتن بود
سپهدار بشنیده بود این خبر | ز تهمینه و رستم زال زر

فرستادن افراسیاب نامه به پیش سهراب با لشکر و برانگیختنش بجنگ ایرانیان

چو افراسیاب این سخنها شنود | خوش آمدش خندید و شادی نمود
ز لشکر گزید از دلاور سران | کسی کو گراید بگرز گران
بپهبد چو هومان و چو بارمان | که در جنگ شیران نجستی امان
ده و دو هزار از دلیران گرد | گزیدش ز لشکر بدیشان سپرد
بگردان لشکر سپهبد بگفت | که این راز باید که ماند نهفت

چنین گفت کاین چاره اندر جهان / بسازید و دارید اندر نهان

پسر را نباید که داند پدر / ز پیوند جان و ز مهر و گهر

ز رستم گران لشکری مرد اوی / به ایران شود ور زمان جنگجوی

چو روی اندر آورد هر دو بروی / تهمتن بود بیگمان چاره جوی

مگر کان دلاور گو سالخورد / شود کشته بر دست این شیر مرد

چو بی رستم ایران بچنگ آوریم / جهان پیش کاوس تنگ آوریم

از آن پس بگیریم سهراب را / ببندیم یکشب برو خواب را

وگر کشته گردد بدست پدر / از آن پس بسوزد دل نامور

برفتند بیدار دو پهلوان / بنزدیک سهراب روشن روان

به پیش اندرون هدیهٔ شهریار / ده اسپ و ده استر[1] بزین و مهار

ز پیروزه تخت و ز بیجاده[2] تاج / سر تاج در پایهٔ تخت عاج

یکی نامه بالای دل پسند / نبشته بنزدیک آن ارجمند

که گر تخت ایران بدست آوری / زمانه بر آساید از داوری

ازین مرز تا آن بسی راه نیست / سمنگان و توران و ایران یکیست

ز قسمت چند انکه باید سپاه / تو بر تخت بنشین و برنه کلاه

به توران چو هومان و چون بارمان / دلیر و سپهبد نه بد بیگمان

چو طرخان[3] چینی و سه صد هزار / گزیده یلان از در کارزار

فرستادم اینک بفرمان تو / که باشند یکچند مهمان تو

اگر جنگ جوئی تو جنگ آورند / جهان بر بداندیش تنگ آورند

چنین نامه و خلعت شهریار / ببردند با اسپ و اشتر ببار

---

۱ مجر ۔ ۲ نوعے از یاقوت ۔ ۳ چینی پہلوان

چو آمد بسهراب از ایشان خبر — پذیره[1] شدن را ببستش کمر
بشد با نیا پیش هومان چو باد — سپه دید چندان دلش گشت شاد
چو هومان ورا دید با یال[2] و کفت[3] — خرد ماند یکبار از و در شگفت
بدو داد پس نامهٔ شهریار — ابا هدیه و اسپ و استر ببار
سپهدار هومان سوار دلیر — بسهراب گفت ای یل نره شیر
بخوان نامهٔ شاه توران زمین — ببین تا چه فرمان دهی اندرین
جهانجوی چون نامهٔ او بخواند — از انجایگه تیز لشکر براند
جهان دیده گردان کشور کشای — نشستند بر جمهٔ بادپای[4]
بزد کوس و سوی ره آورد روی — جهان شد پر از لشکر های و هوی
کسی را نبد تاب با او بجنگ — اگر شیر پیش آیدش یا نهنگ
سوی مرز ایران سپه را براند — همی سوخت ز آباد چیزی نماند

رسیدن سهراب بدژ سپید و رزم کردن با هجیر و گرفتنش

دژی[5] بود کش خواندندی سپید — بدان دژ بد ایرانیان را امید
نگهبان دژ رزم دیده هجیر — که بازور و دل بود و با گرز و تیر
هنوز آن زمان گستهم[6] خرد بود — بخردی گراینده و گرد بود
یکی خواهرش بود گرد و سوار — بد اندیش و گردن کش و نامدار
چو آگه شد از کار لشکر هجیر — بپوشید جوشن بکردار شیر
چو سهراب نزدیک آن دژ رسید — هجیر دلاور ورا بدید
نشست از بر بادپای چو گرد — ز دژ رفت پویان بدشت نبرد

---

۱ استقبال کردن ۲ بازو ۳ شانہ ۴ اسپ ۵ قلعہ ۶ گودرز کا لڑکا منوچہر کا پوتا۔

بدان لشکر ترک آواز داد — چنین گفت آن گرد پهلو نژاد[1]

که گردان کدامند و جنگ آوران — دلیران کار آزموده سران

که با من بگردد درین کینه گاه — ز چندین بهادر سران سپاه

بدیده نیامد کس او را بجنگ — که بد برز[2] بالا و بازو و هنگ[3]

چو سهراب جنگ آور او را بدید — برآشفت و شمشیر کین برکشید

ز لشکر برون تاخت برسان شیر — به پیش هجیر اندر آمد دلیر

چنین گفت با رزم دیده هجیر — که تنها بجنگ آمدی خیره خیر

چرا خیره تنها بجنگ آمدی — خرامان بجنگ نهنگ آمدی

چه مردی و نام و نژاد تو چیست — که زاتیده را بر تو باید گریست

هجیرش چنین داد پاسخ که بس — بترکی نباید مرا یار کس

منم گرد گیر آن سوار دلیر — که روبه شود نزد من نره شیر

هجیر دلیر سپهبد[5] منم — هم اکنون سرت را ز تن بر کنم

ز رستم بنزدیک شاه جهان — تنت را کند کرگس اندر نهان

بخندید سهراب کین گفتگوی — بگوشش آمدش تیز بنهاد روی

ببک نیزه بر نیزه انداختند — که از یکدگر باز نشناختند

چو آتش بیامد گو پیل زور — چو کوهی روان کرد اسپ ستور

یکی نیزه زد بر میانش هجیر — نیامد سنان اندرو جایگیر

سنان باز پس کرد سهراب شیر — بن نیزه زد بر میانش دلیر

ز زین برگرفتش بکردار باد — نیامد همی زو بدل در ش یاد

بزد بر زمینش چو یک لخت کوه — بجان و دلش اندر آمد ستوه

---

۱ مرد شجاع ۲ پیش آمد تیار ہوا ۳ بلند قامت ۴ سنگینی ۵ سردار لشکر

ز اسپ اندر آمد نشست از برش — همیخواست از تن بریدن سرش
بپیچید و برگشت بر دست راست — غمی شد ز سهراب زنهار خواست
رها کرد زو جنگ و زنهار داد — چو خوشنود شد پند بسیار داد
ببستش ببند آنگهی جنگجوی — بنزدیک هومان فرستاد اوی
ز کارش خرد ماند هومان شگفت — کز انسان دلیری بآسان گرفت
بدژ در چو آگه شدند از هجیر — که او را گرفتند و بردند اسیر
خروش آمد و نالهٔ مرد و زن — که گم شد هجیر اندران انجمن

رزم سهراب با گرد آفرید

چو آگاه شد دختر گژدهم — که سالار آن انجمن گشت گم
غمین گشت و برزد خروشی بدرد — برآورد از دل یکی باد سرد
زنی بود بر سان گردی سوار — همیشه بجنگ اندرون نامدار
کجا نام او بود گرد آفرید — که چون او بجنگ اندرون کس ندید
چنان ننگش آمد ز کار هجیر — که شد لاله رنگش بکردار قیر
بپوشید درع سواران بجنگ — نبود اندران کار جای درنگ
نهان کرد گیسو بزیر زره — بزد بر سر ترگ رومی گره
فرود آمد از دژ بکردار شیر — کمر بر میان بادپایی بزیر
بپیش سپاه اندر آمد چو گرد — چو رعد خروشان یکی ویله کرد
که گردان کدامند و سالار کیست — ز رزم آوران جنگ را یار کیست
که بر من یکی آزمون را بجنگ — بگردد بسان دلاور نهنگ

زجنگ آوران لشکر سرفراز | مراورا نیامد کسی پیش باز
چو سهراب شیراوژن او را بدید | بخندید ولب را بدندان گزید
چنین گفت کامد دگر باره گور | بدام خداوند شمشیر و زور
بپوشید خفتان و بر سر نهاد | یکی ترگ[۱] چینی بکردار باد
بیامد دمان پیش گرد آفرید | چو دخت کمند افگن او را بدید
کمان را بزه کرد و بکشاد بر | نبد مرغ را پیش تیرش گذر
بسهراب بر تیر باران گرفت | چپ و راست جنگ سواران گرفت
نگه کرد سهراب و آمدش ننگ | برآشفت و تیز اندر آمد بجنگ
سپر بر سر آورد و بنهاد روی | ز پیکار خون اندر آمد بجوی
چو آورد را دید گرد آفرید | که برسان آتش همی بردمید
کمان را بزه بر ببازو فگند | سمندش برآمد بابر بلند
سر نیزه را سوی سهراب کرد | عنان و سنان را پر از تاب کرد
برآشفت سهراب شد چون پلنگ | چو بدخواه او چاره جو شد بجنگ
عنان برگرائید و برداشت اسپ | بیامد بکردار آذرگشسپ[۲]
چو آشفته شد شیر تندی نمود | سر نیزه را سوی او کرد زود
بدست اندرون نیزهٔ جانستان | پس پشت خود کرد و شد آنگه سنان
بزد بر کمربند گرد آفرید | زره بر تنش یک بیک بر درید
ز زین برگرفتش بکردار گوی | که چوگان ز باد اندر آید بروی
چو بر زین بپیچید گرد آفرید | یکی تیغ تیز از میان برکشید
بزد نیزهٔ او بدو نیم کرد | نشست از بر زین و برخاست گرد

---

۱ کلاه آهنی   ۲ نام پهلوان

باورد با او بسنده[1] نبود　　بتابید ازو روی و برگاشت زود

سپهبد عنان اژدها را سپرد　　بخشم از جهان روشنائی ببرد

چو آمد خروشان بتنگ اندرش　　بجنبید و برداشت خود از سرش

رها شد ز بند زره موی اوی　　درفشان چو خورشید شد روی اوی

بدانست سهراب کو دختر است　　سر و موی او از در افسر است

شگفت آمدش گفت از ایران سپاه　　چنین دختر آید باوردگاه

سواران جنگی بروز نبرد　　همانا بابر اندر آرند گرد

زنان شان چنین اند ایرانسران　　چگونه اند گردان جنگ آوران

ز فتراک بگشاد پیچان کمند　　بینداخت و آمد میانش به بند

بدو گفت کز من رهائی مجوی　　چرا جنگجوئی تو ای ماهروی

نیامد بدامم بسان تو گور　　ز چنگم رهائی نیابی مشور

کشاد آن رخ آنگاه گرد آفرید　　مر آن را جز این هیچ چاره ندید

بدو روی بنمود گفت ای دلیر　　میان دلیران بکردار شیر

دو لشکر نظاره برین جنگ ما　　بدین گرز و شمشیر و آهنگ ما

کنون من گشاده چنین روی و موی　　سپاه از تو گردد پر از گفتگوی

که با دختری او بدشت نبرد　　بدینسان بابر اندر آورد گرد

نباید که چندین درنگ آورد　　کزین رزم بر خویش ننگ آورد

ز بهر من آهو[2] ز هر سو مخواه　　میان دو صف برکشیده سپاه

نهانی بسازیم بهتر بود　　خرد داشتن کار مهتر بود

کنون لشکر و دژ بفرمان تست　　نباید بدین آشتی جنگ جست

---

[1] سزاوار - کافی　[2] عیب

دژ و گنج و دژبان سراسر تراست — چو آئی چنان کت مراد و هواست
چو رخسار بنمود سهراب را — ز خوشاب بگشود عناب را
یکی بوستان بود اندر بهشت — ببالای او سرو دهقان نکشت
دو چشمش گوزن و دو ابرو کمان — تو گفتی همی بشکفد هر زمان
ز دیدار او مبتلا شد دلش — تو گفتی که دُرج بلا شد دلش
بدو گفت زین گفته اکنون مگرد — که دیدی مرا روزگار نبرد
بدین بارهٔ دژ دل اندر مبند — که این نیست برتر ز چرخ بلند
بپای آورد زخم کوپال من — نراند کسی نیزه بر یال من
عنان را بپیچید گرد آفرید — سمند سرافراز بر دژ کشید
همی رفت سهراب با او بهم — بیامد بدرگاه دژ گژدهم
در دژ گشادند گرد آفرید — تن خسته و بسته در دژ کشید
در دژ ببستند و غمگین شدند — پر از غم دل و دیده خونین شدند
از آزار گرد آفرید و هجیر — پر از درد بودند برنا و پیر
بر دختر آمد همی گژدهم — ابا نامداران و گردان بهم
بگفتش که ای نیک دل شیرزن — پر از غم بُد از تو دل انجمن
که هم رزم جستی هم افسون و رنگ — نیامد ز کار تو بر دوده ننگ
سپاس از خداوند چرخ بلند — کزو نامد بجانت ز دشمن گزند
بخندید بسیار گرد آفرید — بباره برآمد سپه بنگرید
چو سهراب را دید بر پشت زین — چنین گفت کای گرد توران زمین
چرا رنجه گشتی چنین باز گرد — هم از آمدن هم ز دشت نبرد

لہ دیوار قلعہ

نامهٔ گژدهم بکاوس و گذارش نمودن پهلوانی سهراب

چو برگشت سهراب گژدهم پیر بیاورد و بنشاند مرد دبیر
یکی نامه بنوشت نزدیک شاه برافگند پوینده مردی براه
نخست آفرین کرد بر شهریار نمود آگهی گردش روزگار
که آمد بر ما سپاهی گران همه رزمجویان و کندآوران[۱]
یکی پهلوانی به پیش اندرون که سالش ده و دو هفت نابد فزون
ببالا ز سرو سهی برتر است چو خورشید تابان بدو پیکر است
برش چون بر شیر و بالاش برز[۲] بایران ندیدم چنین دست گرز
چو شمشیر هندی بچنگ آیدش ز دریا و از کوه ننگ آیدش
بایران و توران چنو مرد نیست بگیتی کس او را هم آورد نیست
بنام است سهراب و گرد دلیر نه از دیو پیچد نه از پیل و شیر
تو گوئی مگر بیگمان رستم است و یا گردی از تخمهٔ نیرم است
چو آید رسید این[۳] چنین پادشاه ابا لشکر نامور کینه خواه
هجیر دلاور میان را ببست یکی بارهٔ تیزتگ برنشست
بشد پیش سهراب رزم آزمای برابرش ندیدم فزون زان بپای
که بر هم زند مژه را جنگجوی گر آید ز بینی شود مغز بوی
که هرابش از پشت زین برگرفت برش مانده زان باز و اندر شگفت
دو دست اکنون بزنهار اوست پر آزار جان و پر از درد پوست
سواران ترکان بسی دیده ام عنان پیچ از این گونه نشنیده ام

---

۱ مبارز، پهلوان ۲ بلند قامت ۳ اینجا

بدو گفت سهراب کای خوب چهر — بتاج و به تخت و بماه و بمهر

که این باره[له] با خاک پست آورم — ترا ای ستمگر بدست آورم

چو بیچاره گردی و پیچان شوی — ز گفتار بیهوده پشیمان شوی

کجا رفت پیمان که کردی پدید — چو بشنید گفتار گرد آفرید

بخندید و آنگه بافسوس گفت — که ترکان ز ایران نیابند جفت

چنین رفت روزی نبودت زمن — بدین درد و غمگین مکن خویشتن

همانا که تو خود ز ترکان نهٔ — که جز بافترین بزرگان نهٔ

بدین زور و این بازو و کتف و یال — نداری کس از پهلوانان همال

ولیکن چو آگاهی آید بشاه — که آورد گردی ز توران سپاه

شهنشاه و رستم بجنبند ز جای — شما با تهمتن ندارید پای

نماند یکی زنده از لشکرت — ندانم چه آید ز بد بر سرت

دریغ آیدم کاین چنین یال و سفت — همی از پلنگان نباید نهفت

ترا بهتر آید که فرمان کنی — رخ نامور سوی توران کنی

نباشی بس ایمن ببازوی خویش — خورد گاو نادان ز پهلوی خویش

چو بشنید سهراب ننگ آمدش — که آسان همی دژ بچنگ آمدش

بزیر دژ اندر یکی جای بود — کجا دژ بدانجای بر پای بود

بتاراج داد آن همه بوم و رست — بیکبارگی دست بدرا بشست

چنین گفت کامروز بیگاه گشت — ز پیکار ما دست کوتاه گشت

برآرم بشبگیر ازین باره گرد — نهیم اندرین جای شور نبرد

چو گفت این عنان را بتابید و رفت — سوی جای خود راه را برگرفت

له قلعه

نباشد بگیتی چو او رزم ساز — مگر پیلتن گرد گردن فراز
بهم آورد او در جهان سربسر — نباشد بجز رستم زال زر
مبادا که او در میان دو صف — یکی مرد جنگ آور آرد بکف
نخواهم که با او بصحرا بود — هم آورد اگر کوه خارا بود
بر آن کوه بخشایش آرد زمین — کجا[۱] اسپ راند برو روز کین
اگر رزم زند شهریارا ندرین — نراند سپاه و نسازد کمین
از ایران همه فرهی رفته گیر — جهان از سر تیغش آشفته گیر
ز ما مایه گیرد که خود روز هست — بگیرد کسی دست او را بدست
عنان دار چون او ندیدست کس — تو گویی که سام سوارست بس
نداریم طاقت درین جنگ اوی — بدین گرز و چنگال و آهنگ اوی
سر بخت گردان فرو خفته گیر — بزرگیش بر آسمان رفته گیر
بنه اینک امشب همه برنهیم — همه روی را سوی کشور نهیم
اگر خود شکیبیم یک چند نیز — نکوشیم و دیگر نگوییم چیز
که این باره را نیست پایاب اوی — درنگی شود شیر ز شتاب اوی
چو نامه بمهر اندر آمد بشب — فرستاده برجست و بگشاد لب
بگفتش چنان رو که فردا پگاه — نبیند ترا هیچکس زان سپاه
فرستاد نامه سوی راه راست — [۲]پس نامه انگاه برپای خاست
بزیر دژ اندر یکی راه بود — کجا گژدهم زان ره آگاه بود
بنه برنهاد و سر اندر کشید — بدان راه بیراه شد ناپدید
هم آن شب از آن راه دژ گژدهم — برون شد همه دوده با او بهم

---

۱ هرکجا ۲ که

چو خورشید بر زد سر از برز کوه ‌ ‌ ‌ میانها ببستند توران گروه

سپهدار سهراب نیزه بدست ‌ ‌ ‌ یکے بارهٔ تیز تگ بر نشست

بدان بد که گردان دژ را همه ‌ ‌ ‌ بگیرد ببندد بسان رمه

چو آهنگ دژ کرد کس را ندید ‌ ‌ ‌ خروشے چو شیر ژیان بر کشید

بیامد در دژ گشاده بدید باز ‌ ‌ ‌ ندیدند در دژ کسے سرفراز

بشب رفته بودند با گژدهم ‌ ‌ ‌ سواران دژ دار و گردان بهم

چو سهراب و لشکر بدژ در رسید ‌ ‌ ‌ ببارهٔ درون گژدهم را ندید

هر آنکس که بود اندرون جایگاه ‌ ‌ ‌ گنهگار بودند اگر بے گناه

بفرمان همه پیش او آمدند ‌ ‌ ‌ بجان هر کسے چاره جوے آمدند

همی جست گرد آفرید و ندید ‌ ‌ ‌ دلش مهر و پیوند او بر گزید

همیگفت از آن پس دریغا دریغ ‌ ‌ ‌ که شد ماه تابنده در زیر میغ

مرا چشم زخمے عجب رو نمود ‌ ‌ ‌ که دهرا چنان صیدی از من ربود

غریب آهوے آمدم در کمند ‌ ‌ ‌ که از بند جست و مرا کرد بند

پری پیکری ناگهان رو نمود ‌ ‌ ‌ دلم زار بود و غمم را فزود

بناگاه پنهان شد آن دلربا ‌ ‌ ‌ شدم من بداغ غمش مبتلا

زہے چشم بندی که آن پر فسون ‌ ‌ ‌ به تیغم بخست و مرا ریخت خون

مرا تلخ شد زندگی بے رخش ‌ ‌ ‌ تنم شد اسیر شکر پاسخش

ندانم چه کرد آن فسون گر بمن ‌ ‌ ‌ که ناگه مرا بست راه سخن

بآن رزم و آن روے و آن گفتگوے ‌ ‌ ‌ نه بینم دگر دلبرے همچو اوے

از آن گفتنش هرگه آرم بیاد ‌ ‌ ‌ ز داغش شود سوز و دردم زیاد

مرا محنتے بیکران رو نمود ‌ ‌ ‌ که از یار دوری بمن گشت سود

بنازی مرا خود بباید گریست
که دلدار خود را ندانم که کیست

همیگفت دمی سوخت از غم بسی
نخواست رازش بداند کسی

ولی عشق پنهان نماند که راز
بمردم نماید همی اشک باز

غم جان برآرد خروش از درون
اگرچند عاشق بود ذوفنون

زمین مهر آن دخت با فرهنگ
نماند ایچ بر روی سهراب رنگ

ازان کار هومان بنودش خبر
که سهراب را هست خون در جگر

ولی از فراسع بدل نقش بست
که او را پریشانی داد دست

بدام کسی پای بند آمدست
ز زلف بتی در کمند آمدست

نهان میکند درد و خونین دلست
هوس میرود راه دیا در گلست

یکی فرصتی جست و گفتش براز
که ای شیر دل گرد گردن فراز

بزرگان پیشین بآئین و کیش
گرامی ندیدند کس را چو خویش

ندادند بیهوده دل را بدست
نگشتند از بادهٔ مهر مست

صد آهوی مشکین بخشم کمند
گرفتند و دل را نکردند بند

فریب پری پیکران جوان
نخواهد کسی کو بود پهلوان

کسی را رسد گردی و سروری
که مهر فلک را کند مشتری

تو ای شیر دل مهتر دیو بند
ز مهر که گشتی چنین مستمند

نه رسم جهانگیری و سروریست
که از مهر ماهی بباید گریست

ترا خواند فرزند افراسیاب
توئی سرور امروز بر خشک و آب

ز توران بکاری برون آمدیم
مشنادر بدریای خون آمدیم

سر مرز ایران گرفتیم تنگ
چنین دژ بآسانی آمد بچنگ

اگرچند این کار با مشغه بکام
ولی هست در پیش رنجی تمام

بیاید شهنشاه کاوس[1] و طوس[2] — چو رستم که با شیر سازد فسوس[3]

سپهدار گودرز[4] و گیو[5] دلیر — زرازرد و بهرام[6] و رهام[7] شیر

چو گرگین[8] و میلاد[9] و فرهاد[10] راد — گرازه[11] که از پیل باشد زیاد

چنین نره شیران پولاد چنگ — کمربسته کین بی نام و ننگ

بیائید یکسر به پیکار ما — که داند که خود چون شود کار ما

تو ای مرد میدان این سروران — چه کارت بعشق پری پیکران

بدل سرد کن مهر شوخان شنگ — که فردا نمانی ز مردان جنگ

تو ای نوجوان از دلیری خویش — گرفتی یکی کار دشوار پیش

اگر یک دلی کام حاصل کنی — دگر نه سر اندر سر دل کنی

یقین دان که کاری که دارد دوام — بلندی بدو دار از آن کار نام

تو کاری که داری نبردی بسر — چرا دست یازی[12] بکاری دگر

به تیر و به مردی جهان را بگیر — ز شاهان بدست آر تاج و سریر

چو کشور بدست تو آید فراز — بهر جای خوبان بدندت نیاز

کسی خسته مهر دلبر بود — که او از زر و زور لاغر بود

هرآنکس که شد کامران در جهان — پرستش کنندش کهان و مهان

---

[1] کیقباد کا لڑکا جو ایک سو پچاس برس ایران کا بادشاہ رہا۔ [2] نوذر کا لڑکا [3] طعنہ و سرزنش
[4] کاؤس کے لشکر کا ایک سردار جو کاوہ آہنگر کے خاندان سے تھا [5] گودرز کا لڑکا۔ کاؤس کے
لشکر کا ایک سردار [6] [7] [8] ایرانی پہلوان [9] میلاد کا لڑکا۔ کاؤس کے لشکر کا ایک پہلوان
[10] ایک ایرانی سردار جس کو کاؤس نے مازندران جاتے وقت ایران کا نائب نامزد کیا تھا
[11] لشکر کاؤس کا ایک سردار [12] ایک ایرانی پہلوان [13] یازیدن - ارادہ و آہنگ کردن

نامہ کاؤس بر رستم و طلبیدنش بجنگ سہراب

یکے نامہ فرمود پس شہریار
نوشتن بر رستم نامدار

نخست آفرین کرد بر پہلوان
کہ بیدار دل باش و روشن روان

جہان باد کاندر جہان جز تو کس
نباشد بہر کار فریاد رس

بدان کز رہ ترک زی با سرے
یکے تاختن کرد با لشکرے

بہ دژ در نشستہ است خود با سپاہ
بدان مردم دژ گرفت است راہ

یکے پہلوانے است گرد و دلیر
بہ تن ژندہ پیل و بہ دل نرہ شیر

از ایران ندارد کسے تاب اوے
مگر تو کہ تیرہ کنی آب اوے

توئی پہلوان زادۂ شیر دل
ز دشمن ربودہ بشمشیر دل

سر افراز و گردن کش و نامور
ز گردان گیتی بر آوردہ سر

سپہدار نامی گو پیلتن
ستون یلان نازش انجمن

دل و پشت گردان ایران توئی
بہ چنگال و نیروے شیران توئی

ستانندۂ شہر مازندران
کشایندۂ بند ہاماوران

ز گرز تو خورشید گریان شود
ز تیغ تو بہرام بریان شود

چو گرد پے رخش تو نیل نیست
ہم آورد تو در جہاں پیل نیست

کمند تو بر شیر بند افگند
سنان تو بر کہ گزند افگند

توئی در ہمہ بد بایران پناہ
ز تو بر فرازند گردان کلاہ

درود از خداوند روز شمار
بگرشاسپ[1] نیرم[2] بسام[3] سوار

---

[1] جمشید کی نسل میں ایک پہلوان جو فریدون کے زمانہ میں تھا اور رستم کے اجداد میں تھا۔ [2] نریمان پدر سام [3] پدر زال - جد رستم

چو هومان بدنبستان سخن پیش برد　　سراسر بسهراب یل برشمرد
ازان گفته سهراب بیدار شد　　دلش بسته بند پیکار شد
بگفت ای سزا مداران چنین　　بگفتار خوبت هزار آفرین
شد این گفت تو داروی جان من　　کنون با تو نو گشت پیمان من
جهان را سراسر چه خشک و چه آب　　در آرم بفرمان افراسیاب
بگفت این و دل راز دلبر بکند　　بر آمد بر افراز تخت بلند
ز فتح حصار و دو رنگ و شتاب　　فرستاده نامه بافراسیاب
ازان شاد شد شاه توران زمین　　بسی کرد سهراب را آفرین
وزان سو چه نامه بخسرو رسید　　غمی شد دلش کان سخنها شنید
گرانمایگان را ز لشکر بخواند　　ازین داستان چند گونه براند
نشستند با شاه ایران بهم　　بزرگان لشکر همه بیش و کم
چو طوس و چو گودرز و کشواد گیو　　چو گرگین و بهرام و فرهاد نیو
سپهدار نامه بر ایشان بخواند　　کم و بیش آن پهلوان را براند
چنین گفت با پهلوانان براز　　که این کار گردد بما بر دراز
بدانسان که گژدهم گوید همی　　از اندیشه ها دل بشوید همی
چه سازیم و درمان این درد چیست　　با ایران هم آورد این مرد کیست
بران بر نهادند یکسر که گیو　　بزابل شود نزد سالار نیو
برستم رساند ازین آگهی　　که با بیم شد تخت شاهنشهی
مر او را بخواند بدین رزمگاه　　که او هست ایرانیان را پناه
نشست آنگهی رای زن با دبیر　　که کاری گزاینده بد ناگزیر

---

۱ نوذر کا لڑکا ۲ لشکر فریدون کا ایک پہلوان۔ ۳ شجاع

کزین گونه دارند تخمه و نژاد جهان گیر و شیراوژن و پاک زاد
مرا بخت روشن بدیدار تست بونی خرم و جاودان تندرست
گزاینده کاری نو آمد به پیش کز اندیشهٔ آن دلم گشت ریش
نشستند گردان سراسر بهم بخواندند آن نامهٔ گژدهم
بدان گونه دیدند گردان نیو که نزد تو آید گرانمایه گیو
به نزد تو آرد مراین نامه را بدانی بد و نیک این خامه را
چو نامه بخوانی بروز و بشب مکن داستان را گشاده دو لب
اگر دسته داری بدست بسوی یلی تیز کن مغز و بنمای روی
دگر گفته ز دو برچه بپای دگر خود بپای زمانی بپای
مگر با سواران بسیار هوش برانی ز زابل برآری خروش
مرانسان که گژدهم ازو یاد کرد جز از تو نباشد ورا هم نبرد
چو برخوانی این نامه را بیدرنگ برآرای و برکش سپه سوی جنگ
نهاد از بر نامه مهری چو قیر ز عنبر برآمیخته وز عبیر
چو نامه بمهر اندر آمد بداد به گیو دلاور بکردار باد
به گیو انگهی گفت بشتاب زود عنان تگاور بباید بسود
نباید که چون نزد رستم شوی بزابل بمانی و گر نغنوی
اگر شب رسی روز را باز گرد بگویش که تنگ اندر آمد نبرد
دگر نه فراز است این مرد گرد بد اندیش را خوار نتوان شمرد
ازو نامه بستد هم اندر شتاب برفت و نجست ایچ آرام و خواب
شب و روز تازان چو باد دمان نه پروای آب و نه اندوه نان
چو نزدیکی زابلستان رسید خروش طلایه بدستان رسید

که آمد سوارے ز ایران چو گرد — بزیر اندرش بارۂ ره نورد
تهمتن پذیره شدش با سپاه — نهادند بر سر بزرگان کلاه
پیاده شدش گیو گردان بهم — هر آنکس که بزین بد از بیش و کم
از اسپ اندر آمد گو نامدار — از ایران بپرسید و از شهریار
زره سوے ایوان رستم شدند — زمانے ببودند و دم بر زدند
بگفت آنچه بشنید و نامه بداد — ز سهراب چندی سخن کرد یاد
تهمتن چو بشنید و نامه بخواند — بخندید و زان کار خیره بماند
که مانندۂ سام گرد از جهان — سوارے پدید آمد اندر جهان
از آزادگان این نباشد شگفت — ز ترکان چنین یاد نتوان گرفت
ندانم درین راے یزدان بجیست — چنین پهلوان ترک فرخنده کیست
من از دخت شاه سمنگان یکی — پسر دارم و هست او کودکے
هنوز آن گرامی نداند که جنگ — توان کرد گاه شتاب و درنگ
فرستادمش زر و گوهر بسے — بر مادر او بدست کسے
چنین پاسخ آورد کان ارجمند — بسے بر نیاید که گردد بلند
هنوز آن بها دل و جان من — نه مرد مصاف است و لشکر شکن
چو آیدش هنگام تا زد چو شیر — بسے سروران را سر آرد بزیر
همی میخورد با لب شیر بوے — شود بیگمان زود پرخاشجوے
بیا تا کنون سوے ایوان شویم — بشادی بے کاخ دستان شویم
به بینیم تا راے این کار چیست — همان پهلوان ترک فرخنده کیست
بیامد سوے کاخ دستان فراز — [1] پهلوان رستم سرفراز

[1] نام زال - پدر رستم -

خود و گیو در کاخ بزم شدند　　زمانی ببودند و بی غم شدند

چنین گفت رستم کزین باک نیست　　که آخر سرانجام جز خاک نیست

بگوید کس این نامدار اندر کجاست　　ندانم کنون کین سوار از کجاست

فرستد چنین پاسخ آورد باز　　که دیری نباشد از آن سرفراز

ببالا شود همچو سرو بلند　　بدست اندرون گرز و بر زین کمند

ببازو قوی و به تن زورمند　　ستاره در آرد ز چرخ بلند

همانا که سالش نباشد دو هفت　　بمردی به چرخ گردنده رفت

ولیکن هنوزش گه رزم نیست　　همان در خور سور و در بزم نیست

از ایشان که گوئی تو ای پهلوان　　که آمد سوی رزم ایرانیان

ز باره بخیره دلاور جنگ کنند　　ببستش سراسر بخم کمند

نباشد چنین کار آن بچه شیر　　دگر چند گشتست گرد و دلیر

گر او نیست از من نیست ای ترس باک　　که یزدان ز دشمن برآورد هلاک

به گیو آنگهی گفت پس پیلتن　　که ای گرد سالار لشکرشکن

هم ایدر نشینیم امروز شاد　　ز گردان خسرو بگیریم یاد

بباشیم و یک روز دم درزنیم　　یکی لب خشک نم برزنیم

وز آن پس بتازیم نزدیک شاه　　بگردان ایران نمائیم راه

مگر بخت رخشنده بیدار نیست　　دگر نه چنین کار دشوار نیست

چو دریا بموج اندر آید ز جای　　ندارد دم آتش تیز پای

درفش مرا چون به بیند ز دور　　دلش ماتم آرد بهنگام سور

چو مانند همی رستم زال را　　خداوند شمشیر و گوپال را

همان نیز چون سام جنگی بود　　دلیر و هشیوار جنگی بود

بدین تیزی اندر نیاید بجنگ — نباید گرفتن چنین کار تنگ

بمے دست بردند و مستان شدند — بیاد سپهبد بدستان شدند

دگر روز شبگیر هم پر خمار — بیامد تهمتن بیاراست کار

زمستی همان روز باز ایستاد — دوم روز رفتن نیامدش یاد

بفرمود رستم بخوالیگران — که اندر زمان آورید خوان

چو خوان خورده شد مجلس آراستند — مے و رود و رامشگران خواستند

چو آن روز بگذشت روز دگر — بر آراست مجلس چو رخسار خور

سه دیگر سحرگه بیاورد مے — نیامدش یاد از کاوس کے

بروز چهارم بر آراست گیو — چنین گفت با گرد سالار نیو

که کاوس تندست و هشیار نیست — همی داستان بر دلش خوار نیست

غمین بود ازین کار و دل پر شتاب — شده دور از خورد و آرام و خواب

بزابلستان گر درنگ آوریم — زمین پیش کاوس تنگ آوریم

شود شاه ایران بما خشمگین — ز ناپاک رائی درآید بکین

مرا چند گفت است کاوس شاه — که تنگ اندر آمد بایران سپاه

بدو گفت رستم میندیش ازین — که با ما نشورد کس اندر زمین

صبوحے ازان روز برخاستند — از اندیشها دل بپرداختند

آمدن رستم و گیو نزد کاوس و خشم گرفتن او بر ایشان

بفرمود تا رخش را زین کنند — دم اندر دم نائے روئین کنند

سواران زابل شنیدند نائے — نشستند با ترگ[1] و جوشن زجائے

---

[1] کلاہ آہنی

شد آراسته رخش رستم تمام ۔ بزرین رکیب و بسیمین ستام

برآواسعد رستم سپاہے گران ۔ زواره[1] شدش بر سپہ پہلوان

چو رستم بیامد بنزدیک شاه ۔ پذیره شدندش بیک بوده راه

چو طوس و چو گودرز کشوادگان ۔ پیاده شده پیش آنش دوان

پیاده شد از اسپ رستم ہمان ۔ گرفتند پرسش بدل بد نہان

گرازان بدرگاه شاه آمدند ۔ کشاده دل و نیک خواه آمدند

چو رفتند و بردند پیشش نماز ۔ بر آشفت و پاسخ ندادش باز

یکے بانگ بر زد بہ گیو از نخست ۔ پس آنگاه شرم از دو دیده بشست

کہ رستم کہ باشد کہ فرمان من ۔ کند پست و پیچد ز پیمان من

اگر تیغ بودے کنون پیش من ۔ سرش کندمے چون ترنجے ز تن

بگیرش ببر زنده بردار کن ۔ وزو نیز مکشاے با من سخن

ز گفتار او گیو را دل بخست ۔ کہ بردی برستم بدینگونہ دست

شده تند کاؤس چین بر جبین ۔ شده راست مانند شیر عرین

بر آشفت با گیو با پیلتن ۔ بدو خیره مانده ہمہ انجمن

بفرمود پس طوس را شہریار ۔ کہ رو ہر دو را زنده بر کن بدار

خود از جاے برخاست کاؤس کے ۔ برافروخت برسان آتش ز نے

بشد طوس و دست تہمتن گرفت ۔ بدو مانده پرخاش جویان شگفت

کہ از پیش کاؤس بیرون برد ۔ مگر اندران تیزی افسون برد

برد تند یکدست بر دست طوس ۔ تو گفتی ز پیل ژیان یافت کوس

ز بالا نگون اندر آمد بسر ۔ برد گرد رستم بہ تندی گذر

---

[1] بادر رستم۔

تہمتن برآشفت با شہریار | کہ چندین مدار آتش اندر کنار
ہمہ کارت از یکدگر بدتر است | ترا شہریاری نہ اندر خور است
چنین تاج بر تارک بے بہا | بے بہتر اندر بزم اژدہا
من آن رستم زال نام آورم | کہ از چون تو شہ خم نگیرد سرم
ز مصر و ز چین و ز ہاماوران | ز روم و ز سگسار[۱] و مازندران
جگر خستۂ تیغ و تخش[۲] منند | ہمہ بندہ در پیش رخش منند
تو اندر جہان خود ز من زندۂ | بکینہ چرا دل پراگندۂ
تو سہراب را زندہ بر دار کن | برآشوب و بدخواہ را خوار کن
چو خشم آورم شاہ کاوس کیست | چرا دست یازد بمن طوس کیست
چہ دارم از خشم کاوس باک | چہ کاوس پیشم چہ یکمشت خاک
مرا زور و فیروزی از داور است | نہ از پادشاہ و نہ از لشکر است
زمین بندہ و رخش گاہ من است | نگین گرزہ و مغفر کلاہ من است
شب تیرہ از تیغ رخشان کنم | بر آوردگہ بر سر افشان کنم
سر نیزہ و گرز یار منند | دو بازو و دل شہریار منند
چہ آزاردم او نہ من بندہ ام | یکے بندۂ آفرینندہ ام
دلیران بشاہی مرا خواستند | ہمان گاہ و افسر بیاراستند
سوے تخت شاہی نکردم نگاہ | نگہداشتم رسم و آئین و راہ
اگر من پذیرفتمے تاج و تخت | نبودے ترا این بزرگی و بخت
ہمہ ہرچہ گفتی سزاے من است | ز تو نیکوئیہا بجاے من است
نشاندم بدین تخت من کیقباد | چہ کاوس دانم چہ خشمش چہ باد

---

[۱] ایک قوم کا نام ہے کہتے ہیں کہ ان کا سر کتے کے سر سے ملتا جلتا ہوتا تھا [۲] تیر

دگر کیقباد از البرز کوه ‏ بزاری فتاده میان گروه
نیاوردمی من بیاران زمین ‏ ببستی کمربند و شمشیر و کین
ترا این بزرگی نبودی و کام ‏ که گوئی سخنها بدستان و سام
اگر من نرفتی بمازندران ‏ بگردن برآورده گرز گران
که کندی دل و مغز دیو سپید ‏ کرا بود بر بازوی خود امید
چو برگفت زینگونه گفتار چند ‏ بگردان در پند بگشود بند
بایرانیان گفت سهراب گرد ‏ بیاید نماند بزرگ و نه خرد
شما هر یکی چارهٔ جان کنید ‏ خرد را بدین کار پیمان کنید
به ایران نه بینید زین پس مرا ‏ شمارا زمین پر کرگس مرا
برون شد بخشم اندر آمد برخش ‏ منم گفت شیر اوژن تاج بخش
بزد اسپ و از پیش ایشان برفت ‏ همی پوست بر تنش گفتی بگفت[1]
غمین شد دل نامداران همه ‏ که رستم شبان بود و ایشان رمه
بگودرز گفتند کاین کار تست ‏ شکسته بدست تو گردد درست
سپهبد چو از تو سخن بشنود ‏ بگفتار تو بیگمان بگرود
بنزدیک آن شاه دیوانه شو ‏ وزین در سخن یاد کن نو بنو
سخنهای چرب و دراز آوری ‏ مگر بخت گم بوده باز آوری
هم انگه نشستند با یک دگر ‏ سراسر بزرگان پرخاش خر
چو گیو و چو گودرز و بهرام شیر ‏ چو رهام و گرگین سوار دلیر
همین این بدین آن بدان گفت شاه ‏ ندارد دل نامداران نگاه

---

[1] بشگافت

چو رستم که هست او جهان پهلوان — به بخشید کاؤس کے را روان

برنج و بسختیش فریادرس — نبودست هرگز جز او هیچکس

چو بستند دیوان مازندران — هم آن شاه و هم ما به بند گران

ز بهرش چه رنج و چه سختی کشید — جگرگاه دیو دژم بردرید

بشاویش بر تخت شاهی نشاند — برو آفرین بزرگان بخواند

دگر ره چو او را بهاماوران — ببستند پایش به بند گران

ز بهرش چنان شهریاران بکشت — به هاماوران هیچ ننمود پشت

بیاورد او را سوی تخت باز — بشاهی همی برد پیشش نماز

چه پاداش او را سزد آویختن — نه بینیم جز روی بگریختن

ولیکن کنون نیست هنگام کار — که تنگ اندر آمد چنین روزگار

نباید که آید به ره تنگ — چو ایدر نه بینند ما را به جنگ

چه سازیم اکنون که رستم برفت — سوی زابلستان خرامید تفت

ابی او نباشیم در رزم شاد — همه رزم ما گشت اکنون چو باد

کسی باید اکنون برفتن دوان — مگر بازگرداند آن پهلوان

سپهدار گودرز و گشواد تفت[1] — بنزدیک خسرو خرامید و رفت

بگودرز گفتند کاین کار تست — شکسته بدست تو گردد درست

به کاؤس کے گفت رستم چه کرد — کز ایران برآورده بی او گرد

فراموش کردی ز هاماوران — وز آن کار دیوان مازندران

که گوئی ورا زنده بردار کن — ز شاهان نباید گزافه سخن

مکافات رستم نمودی درست — ز شاهان کس این رای هرگز نجست

---

[1] گرم

چو او رفت و آمد سپاهی بزرگ — ابا پهلوانی بکردار گرگ
که داری که با او بدشت نبرد — شود برفشاند بر و تیره گرد
یلان ترا سر بسر گرد هم — شنیدست و دیدست از بیش و کم
همی گوید آن روز هرگز مباد — که با او سواری کند رزم یاد
کسی را که جنگی چو رستم بود — بیا تا ز دو او را اختر و کم بود
خود باید اندر سرِ شهریار — که تیزی و تندی نیاید بکار
چو بشنید گفتار گودرز شاه — بدانست گودرز و آئین و راه
پشیمان شد از هرچه او گفته بود — به بیهودگی مغزش آشفته بود
به گودرز گفت این سخن درخورست — لب پیر با پند نیکو ترست
شما را بباید بر او شدن — بخوبی بسی داستانها زدن
سرش گردن از تیزی من تهی — نمودن بد و روزگار بهی
بیاور تو او را بنزدیک من — که روشن شود جان تاریک من
چو گودرز برخاست از پیش اوی — پس پهلوان تیز بنهاد روی
برفتند با او سران سپاه — پس رستم اندر گرفتند راه
چو دیدند بر ره گو پیلتن — همه نامداران شدند انجمن
نیایش گرفتند بر پهلوان — که جاوید باشی و روشن روان
جهان سربسر زیر پای تو باد — همیشه سر تخت جای تو باد
تو دانی که کاوس را مغز نیست — به تیزی سخن گفتنش نغز نیست
بگوید همانگه پشیمان شود — بخوبی ز سر باز پیمان شود
تهمتن گر آزرده گردد ز شاه — مر ایرانیان را تبا شد گناه
که بگذارد این شهر ایران همی — کند روی فرخنده پنهان همی

هم او زین سخنها پشیمان شدست　　ز تندی بخاید همی پشت دست

تهمتن چنین پاسخ آورد باز　　که هستم ز کاوس کی بی نیاز

مرا تخت زین باشد و تاج ترگ　　قبا جوشن و دل نهاده بمرگ

سزایم بدین گفتن ناسزا　　که گوید به تندی مرا پادشا

که او را ز بند آوریدم همون　　سوی تاج و تختش بدم رهنمون

گه رزم دیوان مازندران　　گه جنگ با شاه هاماوران

ز بند و ز سختی رهانیدمش　　چو در دست دشمن چنان دیدمش

مه دانشش ندارد سرش آگهی　　مگر تیزی و تندی و ابلهی

سرم گشت سیر و دلم کرد بس　　جز از پاک یزدان نترسم ز کس

ز گفتار چون سیر شد تهمتن　　چنین گفت گودرز با پیلتن

که شاه و دلیران و گردنکشان　　بدیگر سخنها برند این گمان

کزین ترک ترسنده شد سرفراز　　همی گوید این گوشه هر کس براز

گرانسان که گژدهم داد آگهی　　همه بوم و بر گردد از ما تهی

که چون رستم از وی بترسد بجنگ　　مرا و ترا نیست جای درنگ

ز آشفتن شاه و پیکار اوی　　بدیدم بدرگاه بر گفتگوی

ز سهراب یل رفت یکسر سخن　　چنین پشت بر شاه ایران مکن

چنین بر شده نامت اندر جهان　　بدین بازگشتن مگردان نهان

و دیگر که تنگ اندر آمد سپاه　　مکن تیره بر خیره این تاج و گاه

که ننگست بر ما ز توران زمین　　پسنده نباشد بر پاک دین

برستم برین داستانها بخواند　　تهمتن چو بشنید خیره بماند

بپاسخ چنین گفت گودرز را　　که بسیار بیمودم این مرز را

بدو گفت اگر بیم دارد دلم
تو دانی که نگریزم از کارزار
چنین دید رستم ازان کار اوی
ازان ننگ برگشت و آمد براه
چو از دور شه دید بر پای خاست
که تندی مرا گوهر است و سرشت
ازین ناسگالیده بدخواه نو
وگرنه مرا پشت لشکر توئی
بیاد تو نوشم همه روز جام
مرا شاهی از فر اورنگ تست
دگر عمر باشد مرا سالیان
ترا خواهم اندر جهان یار و بس
بدین چاره جستن ترا خواستم
چو آزرده گشتی تو ای پیلتن
بدو گفت رستم که کیهان تراست
کنون آمدم تا چه فرمان دهی
همان بر در تو یکی کهترم
چنین گفت کاوس کای پهلوان
مرا تاج و تخت و ترا تیغ و زور
چنین بهتر آید که امروز بزم
بیاراست رامشگهی شاهوار

نخواهم به تن جان از د بگسلم
ولیکن سبکدار دم شهریار
که برگردد آید بدربار اوی
خرامان بشد پیش کاوس شاه
ببوسے پوزش اندر گذشته بخواست
جهان رست باید که یزدان بکشت
دلم گشت باریک چون ماه نو
درین تخت شاهیم افسر توئی
بمهر تو کوشم همه صبح و شام
زجمشید باشیم هر دو درست
ببندم به پشت کمر بر میان
که باشی بهر کار فریادرس
چو دیر آمدی تندی آراستم
پشیمان شدم خاکم اندر دهن
همه کهترانیم و فرمان تراست
تو شاه جهانداری و من رهی
دگر کهتری را خود اندر خورم
ترا باد پیوسته روشن روان
چنین داد دارندهٔ ماه و هور
بسازیم و فردا گزینیم رزم
شد ایوان بکردار خرم بهار

گرانمایگان را همی خواندند　　بدان جشن می گوهر افشاندند
از آواز ابریشم و بانگ نای　　سمن چهرگان پیش خسرو بپای
همی باده خوردند تا نیم شب　　بیاد بزرگان گشاده دو لب
بخوردند می تا جهان تیره گشت　　دل نامداران زمی خیره گشت
همه مست بودند و گشتند باز　　به پیموده گردان شب دیر باز

لشکر کشیدن کاؤس بجنگ سهراب

چو خورشید آن چادر قیر گون　　بدرید و از پرده آمد برون
بفرمود کاؤس تا گیو و طوس　　ببستند بر کوهه پیل کوس
در گنج بکشاد و روزی بداد　　سپه بر نشاندند و بنه برنهاد
سپهدار جوشن وران صد هزار　　شمرده به لشکر گه آمد سوار
یکی لشکر آمد ز پهلو بدشت　　که از گرد اسپان هوا تیره گشت
هوا نیلگون شد زمین آبنوس　　بجنبید هامون ز آوای کوس
همیرفت منزل بمنزل سپاه　　شده روی خورشید تابان سیاه
درخشیدن خشت و ژوبین ز گرد　　چو آتش پس پرده لاجورد
زبس گونه گونه سنان و درفش　　سپرهای زرین و زرینه کفش
تو گفتی که ابری برنگ آبنوس　　بیامد ببارید از و سندروس
جهان را شب از روز پیدا نبود　　تو گفتی سپهر و ثریا نبود
از اینسان بشد تا در دژ رسید　　شده سنگ و خاک از جهان ناپدید

لہ تارہائے ساز لہ کہربا کی قسم کا ایک گوند

سراپرده و خیمه زد بر دو میل | بپوشید گیتی به نعل و به پیل
خروشی بلند آمد از دیدگاه | بسهراب بنمود کامد سپاه
چو سهراب از آنگونه آوا شنید | بباره برآمد سپه بنگرید
بانگشت لشکر به هومان نمود | سپاهی که آن را کرانه نبود
چو هومان ز دور آن سپه را بدید | دلش گشت پر بیم و دم درکشید
وز آن پس چنین گفت سهراب گرد | که اندیشه از دل ببایدسترد
نبینی تو زین لشکر بیکران | یکی مرد جنگی و گرز گران
که پیش من آید بآوردگاه | گر ایدون که یاری دهد هور و ماه
سلیح است و بسیار مردم بسی | سرافراز نامی ندانم کسی
کنون من به بخت شه افراسیاب | کنم دشت را همچو دریای آب
بجنگی نداد ایچ سهراب دل | فرود آمد از باره شاداب دل
یکی جام می خواست از میگسار | نکرد ایچ رنجه دل از کارزار
بیاراست بزم و بخوردن نشست | بگردش دلیران خسرو پرست

رفتن رستم به لشکرگاه سهراب و کشتن زنده رزم را

وز آن سو سراپردهٔ شهریار | کشیدند بر دشت پیش حصار
ز بس خیمه و مرد و پرده سرای | نماند ایچ بر کوه و بر دشت جای
چو خورشید شد از جهان ناپدید | شب تیره بر روز دامن کشید
تهمتن بیامد بنزدیک شاه | میان بستهٔ رزم و دل کینه‌خواه
که دستور باشد مرا تاجور | کز ایدر شوم بی کلاه و کمر
ببینم که این نوجوان ارکیست | بزرگان کدامند و سالار کیست

بدو گفت کاوس کاین کار تست
که روشن روان بادی و تندرست

ہمیشہ نگہدار یزدانت باد
بکام دل و رای و پیمانت باد

تہمتن یکے جامۂ ترک دار
بپوشید و آمد نہان تا حصار

بیامد چو نزدیکی دژ رسید
خروشیدن و بانگ ترکان شنید

بدان دژ درون رفت مرد دلیر
چنان چون سوے آہوان نرہ شیر

یکایک سران را نگہ کرد و دید
ز شادی رخانش چو گل بشگفید

چو سہراب را دید بر تخت بزم
نشستہ بیک دست او ژندہ رزم

بدیگر چو ہومان سوار دلیر
دگر بارمان نام بردار و شیر

تو گفتی ہمہ تخت سہراب بود
بسان یکے سرو شاداب بود

دو بازو بکردار ران ہیون
برش چون بر شیر و چہرہ چو خون

ز گردان بگرد اندرش صد دلیر
جوان و سرافراز چون نرہ شیر

پرستارہ پنجاہ با دست بند
بہ پیش دل افروز تخت بلند

ہمہ یک بیک خواندند آفرین
بدان برز و بالا و تاج و نگین

ہمی بود رستم بدانجا ز دور
نشستہ نگہ کرد گردان تور

بشایستہ کاری برون رفت ژندہ[ل]
گوے دید برسان سرو بلند

بدان لشکر اندر چنون کس نبود
بسودش بہ تندی و پرسید زود

چہ مردی بدو گفت با من بگوے
سوے روشنی آے و بنماے روے

تہمتن یکے مشت بر گردنش
بزد تیز و برشد روان از تنش

بدان جایگہ خشک شد ژندہ رزم
سرآمد برو روز پیکار و بزم

ل ژندہ رزم - تہمینہ کا بھائی - سہراب کا ماموں - تورانی فوج کا ایک پہلوان۔

برانگه که سهراب آهنگ جنگ — نمودی گه رفتن آمدش تنگ

طلب کرد و مادرش را ژنده رزم — که او دیده بد پهلوان گاه بزم

بداد و پور شاه سمنگان زمین — همان خال سهراب با آفرین

بدو گفت کای گرد روشن روان — فرستمت همراه این نوجوان

که چون نامور سوی ایران رسد — بنزدیک شاه دلیران رسد

چو تنگ اندر آید سپه روز کین — پدر را نمائی به پور گزین

زمانی همی بود سهراب دیر — نیامد بنزدیک اوژنده شیر

نگه کرد سهراب تا ژنده رزم — کجا شد که جایش تهی شد ز بزم

بیامد یکی دید او را نگون — فتاده شده جانش از تن برون

زکارش بگفتند سهراب را — بخورد تلخ کردش خور و خواب را

برفتند و دیدند فش فگنده خوار — برآسوده از بزم و از کارزار

خروشان پر از درد باز آمدند — ز دردش دل اندر گداز آمدند

بسهراب گفتند شد ژنده رزم — سرآمد برو کار و پیکار و بزم

چو بشنید سهراب بر جست زود — بیامد بر ژنده بر سان دود

ابا چاکر و شمع و خنیاگران — بیامد و را دید مرده چنان

شگفت آمدش سخت و خیره بماند — دلیران و گندآوران[۱] را بخواند

چنین گفت کامشب نباید غنود — همه شب سر نیزه باید بسود

که گرگ اندر آمد میان رمه — سگ و مرد را دید در دمدمه[۲]

ربود از دلیران یکی گوسفند — بزاری و خواریش خوین فگند

اگر یار باشد جهان آفرین — چو نعل سمندم بساید زمین

---

۱ مبارز۔ پهلوان ۲ شورش -

ز فتراک زین بر گشایم کمند — بخواهم ز ایرانیان کین ژند
بیامد نشست از بر گاه خویش — گرانمایگان را همه خواند پیش
بزمیان چنین گفت سهراب شیر — که ای بخردان دروان دلیر
اگر کم شد از تخت من ژنده رزم — نیاید همی سیر جانم ز بزم
چو برگشت رستم بر شهریار — از ایران سپه گیو بد پاسدار
بره بر گو پیلتن را بدید — بزد دست و تیغ از میان برکشید
یکی بر خروشید چون پیل مست — سپر بر سر آورد و بنمود دست
بدانست رستم که ز ایران سپاه — بشب گیو باشد طلایه براه
بخندید و زان پس فغان برکشید — طلایه چو آوای رستم شنید
پیاده بیامد بنزدیک اوی — چنین گفت کای مهتر کینه جوی
پیاده کجا بوده ای تیره شب — تهمتن بگفتار بگشاد لب
بگفتش به گیو آن کجا کرده بود — چنان شیر مردی که آزرده بود
برو آفرین کرد گیو گزین — که بی تو مباد اسپ و گوپال و زین
وزان جایگه رفت نزدیک شاه — ز ترکان سخن رفت و از بزمگاه
ز سهراب و از برز و بالای اوی — ز بازوی و کتف و بر و پای اوی
که هرگز ز ترکان چنین کس نخاست — بکردار سرو سهی بالاش راست
ز ایران و توران نماند بکس — تو گوئی که سام سوارست و بس
ازان مشت برگردن ژنده رزم — کزان پس نیامد برزم و به بزم
بگفتند و پس رود و می خواستند — همه شب همی لشکر آراستند

له یعنی چه

پرسیدن سهراب نام و نشان سرداران ایران از هجیر

چو خورشید برداشت زرین سپر — زمانه برآورد از چرخ سر
بپوشید سهراب خفتان جنگ — نشست از بر چرمه[1] نیل رنگ
یکی تیغ هندی بد اندر برش — یکی مغفر خسروی بر سرش
کمندی بفتراک بر شصت خم — خم اندر خم و روی کرده دژم[2]
بیامد یکی تند بالا گزید — بجایی که ایران سپه را بدید
بفرمود تا رفت پیشش هجیر — بدو گفت کژی نباید ز تیر
نشانه نباید که خم آورد — سرافشان شود زخم کم آورد
بهر کار در پیشه کن راستی — چو خواهی که نگزایدت کاستی
سخن هرچه پرسم همه راست گوی — بکژی مکن رای و چاره مجوی
چو خواهی که یابی رهائی ز من — سرافراز باشی بهر انجمن
از ایران هرآنچت بپرسم بگوی — متاب از ره راستی هیچ روی
اگر راست گفتی سراسر سخن — بپاداش نیکی بیابی ز من
سپارم بتو گنج آراسته — بیابی بسی خلعت و خواسته
ور ایدونکه کژی بود رای تو — همان بند و زندان بود جای تو
چنین داد پاسخ هجیرش که شاه — ز من هرچه پرسد ز ایران سپاه
بگویم همه هرچه دانم بدوی — بکژی چرا بایدم گفتگوی
ز من بینی جز از راستی پیشه ام — بکژی نیاید خود اندیشه ام

---

[1] اسپ [2] افسرده و غمگین

بگیتی به از راستی پیشه نیست
ز گژی بتر هیچ اندیشه نیست

بدو گفت کز تو بپرسم همه
ز گردن کشان وز شاه و رمه

همه نامداران آن مرز را
چو طوس و چو کاوس و گودرز را

دلیران و گردان ایران زمین
چو گستهم و چون گیو با آفرین

ز بهرام و از رستم نامدار
ز هر چیت[1] پرسم بمن برشمار

یکایک نشانی بمن بر نما
اگر سر به تن خواهی و جان بجا

سراپردهٔ دیبهٔ رنگ رنگ
بدو اندرون خیمه هاے پلنگ

به پیش اندرون بسته صد ژنده پیل
یکی تخت پیروزه بر سان نیل

یکی زرد خورشید پیکر درفش
سرش ماه زرین غلافش بنفش

بقلب سپاه اندرون جای کیست
ز گردان ایران ورا نام چیست

بدو گفت کان شاه ایران بود
که بر درگهش پیل و شیران بود

وزان پس بدو گفت کز میمنه
سواران بسیار و پیل و بنه

سراپردهٔ برکشیده سیاه
زده[2] گردش اندر ستاده سپاه

بگرد اندرش خیمه ز اندازه بیش
پس پشت پیلان و شیران به پیش

زده پیش او پیل پیکر درفش
بنزدش سواران زرینه کفش

چه باشد ز ایرانیان نام اوے
بگو تا کجا باشد آرام اوے

چنین گفت کان طوس نوذر بود
درفشش کجا پیل پیکر بود

سپهدار از تخمهٔ پادشاه
سرافراز و لشکر کش و کینه خواه

ندارد ابا زخم او شیر تاو[3]
بزرگان ز بیمش پذیرنده ساو[4]

بپرسید کان سرخ پرده سرای
یکی لشکر گشن[5] پیشش بپاے

---

[1] از هر چه ترا بپرسم [2] صف بصف [3] طاقت [4] باج [5] قوی

یکی شیر پیکر درفشش بنفش ❊ درفشان گهر در میان درفش
پس پشتش اندر سپاهی گران ❊ همه نیزه داران و جوشن وران
که باشد بجز نام او بازگوی ❊ زگستهی مادر تباهی بروی
چنین گفت کان فر آزادگان ❊ سپهدار گودرز کشوادگان
سپهکش بود گاه کینه دلیر ❊ دو چیل پور دارد چو پیل و چو شیر
کجا پیل با او نکوشد بجنگ ❊ نه از دشت ببر و نه از که پلنگ
دگر گفت کان سبز پرده سرای ❊ بزرگان ایران به پیشش بپای
یکی تخت پرمایه اندر میان ❊ زده پیش او اختر کاویان
برو بر نشسته یکی پهلوان ❊ ابا فر و با سفت و یال گوان
ازان پس که بر پای پیشش براست ❊ نشسته بکیسر ازو برتراست
یکی باره پیشش ببالای اوی ❊ نه بینم همی اسپ همتای اوی
بنخود هر زمان بر خروشد همی ❊ تو گوئی که دریا بجوشد همی
یکی پیل بر گستوان دار پیش ❊ همی جوشد آن مرد بر جای خویش
بایوان نزدی ببالای اوی ❊ کمندی فروهشته تا پای اوی
درفشش به بین اژدها پیکراست ❊ بران نیزه بر شیر زرین سراست
که باشد بنام آن سوار دلیر ❊ که هردم همی بر خروشد چه شیر
هجیر آنگهی گفت با خویشتن ❊ که گر من نشان گو پیلتن
بگویم بدین نیکدل شیر مرد ❊ ز رستم برآرد نباگاه گرد
ازان به نباشد که پنهان کنم ❊ ز گردنکشان نام او بفگنم
بدو گفت کز چین یکی نیک خواه ❊ بنوی بیاید بنزدیک شاه

بپرسید نامش ز فرخ هجیر — بگفتا که نامش ندارم بویر[1]
دگر بار پرسید سهراب از وے — که بارے مرا نام چینی بگوے
بپاسخ چنین گفت با او هجیر — که اے پر هنر مهتر شیر گیر
بدین دژ بدم من بدان روزگار — کجا او بیامد بر شهریار
گمانم که آن چینی این پهلوست — که هر گونه ساز و سلاحش نوست
غمین گشت سهراب را دل بدان — که جائے نیامد ز رستم نشان
نشان داده بد از پدر مادرش — همی دید و دیده نبد باورش
همی نام جست از دهان هجیر — مگر کان سخنها شود دلپذیر
نبشته بسر بر دگر گونه بود — ز فرمان نکاهد نه هرگز فزود
قضا چون ز گردون فرو هشت پر — همه زیرکان کور گردند و کر
وزان پس بپرسید کز مهتران — کشیده سراپردهٔ بر کران
سواران بسیار و پیلان بپاے — برآید همی نالۀ کره نائے
یکے گرگ پیکر درفشش از برش — بابر اندر آورده زرین سرش
میان سراپرده تختے زده — ستاده غلامان به پیشش رده[2]
ز ایران بگو نام آن مرد چیست — کجا جائے دارد نژادش ز کیست
چنین گفت کان پور گودرز گیو — که خوانند گردان ورا گیو نیو
ز گودرزیان مهتر و بهتر است — بایران سپه بر دو بهره سر است
سرافراز داماد رستم بود — بایران زمین همچو او کم بود
بدو گفت ازان سو که تابنده شید[3] — برآید یکے پرده بینم سپید
ز دیبائے رومی به پیشش سوار — زده برکشیده فزون از هزار

---
[1] یاد [2] صف بصف [3] آفتاب

پیاده سپردار و نیزه وران | شده انجمن لشکر بیکران
زدیبا خود هشته زیبا جلیل[۱] | غلام ایستاده رده خیل خیل
نشسته سپهدار بر تخت عاج | نهاده بران عاج کرسئی ساج
چه نام است او را ز نام آوران | سپهبد نژاد است یا سروران
بدو گفت کو را فریبرز[۲] خوان | که فرزند شاه است و تاج گوان
بدو گفت سهراب کین درخورست | که فرزند شاهست و با افسراست
ز هر سو ز بهر جاندار شاه | بیایند پیشش مهان با کلاه
بپرسید ازان زرد پرده سرای | درفشی درخشان به پیشش بپای
بگرد اندرش سرخ و زرد و بنفش | ز هر گونهٔ برکشیده درفش
درفشی پس پشت پیکر گراز | سرش ماه سیمین و بالا دراز
چو خواند او را ز گردنکشان | بگو تا چه داری ازو هم نشان
چنین گفت کو را گرازه ست نام | که در جنگ شیران ندارد لگام
هشیوار از تخمه گیودان | که بر درد و سختی نباشد ژکان[۳]
نشان پدر جست و با او نگفت | همی داشت آن راستی در نهفت
جهان را چه سازی که خود ساختست | جهاندار ازین کار پرداختست
زمانه نبشته دگرگونه داشت | چنان کو گزارد بباید گذاشت
چو دل بر نهی در سرای سپنج | همه زهر نوشی و درد و رنج
دگر باره پرسید از سرفراز | ازان کش بدیدار او بد نیاز
وزان پرده سبز و اسپ بلند | وزان مرد و آن تابداده کمند
وزان پس هجیر سپهبدش گفت | که از تو سخن را نباید نهفت

---

۱ پرده ۲ پسر کاؤس ۳ از خود رمیده - پراگنده خاطر.

گر از نام چینی بمانم همی — ازان سست گو را ندانم همی

بدو گفت سهراب کین نیست داد — ز رستم نکردی سخن هیچ یاد

کسی کو بود پهلوانِ جهان — میان سپه در نماند نهان

تو گفتی که در لشکر او مهتر است — نگهبان هر مرز و هر کشور است

بر زین که کاؤس لشکر کشد — به پیل دمان تخت و افسر کشد

جهان پهلوان باشدش پیشرو — چو برخیزد از دشت آوای غو

چنین داد پاسخ مر او را هجیر — که شاید بدن کان گو شیرگیر

کنون رفته باشد بزابلستان — که هنگام بزم است در گلستان

بدو گفت سهراب کین خود مگوی — که دارد سپهبد سوی جنگ روی

برامش نشیند جهان پهلوان — برین بر بخندند پیر و جوان

مرا با تو امروز پیمان یکیست — بگویم که گفتار من اندکیست

اگر پهلوان را نمائی به من — سرافراز باشی بهر انجمن

ترا بی نیازی دهم در جهان — کشاده کنم گنجهای نهان

در ایدونکه این راز داری ز من — کشاده بمن بر بپوشی سخن

سرت را نباشد همی تن بجای — میانجی کن اکنون بدین هر دو رای[1]

دبینی که موبد بخسرو چه گفت — بدانگه که بکشاد راز از نهفت

سخن گفت ناگفته چون گوهر است — کجا نابسوده[2] به بند اندر است

چو از بند و پیوند یابد رها — چو رخشنده مهری بود بی بها

چنین داد پاسخ هجیرش که شاه — چو سیر آید از مهر و از تاج و گاه

نبرد کسی جوید اندر جهان — که او ژنده پیل اندر آرد ز جان

لے کہ ۲ے جس کو چھوا نہیں گیا

اگر خود ببینی تو چنگال اوی
چنان هیبت و پیکر و یال اوی

بدانی که اژدر نیابد رها
نه دیو و نه شیر و نه نر اژدها

ز زخم سر گرز سندان شکن
برآرد دمار از دو صد انجمن

کسی را که رستم بود هم نبرد
سرش ز آسمان اندر آید بگرد

هم آورد او بر زمین پیل نیست
چو گرد پی اسپ او نیل نیست

تنش زور دارد بصد زورمند
سرش بر تر است از درخت بلند

چو او خشم گیرد بروز نبرد
بجنگش چه شیر و چه پیل و چه مرد

نخواهم که با او بصحرا بود
هم آورد اگر کوه خارا بود

هنرهای رستم بگرد جهان
همه آشکار است پیش مهان

تو با او بسنده نباشی بجنگ
چو او تیغ هندی بگیرد بچنگ

بگیتی ندیدی تو جنگ آوران
که بودند با گرزهای گران

چو افراسیاب آن سپهدار چین
ابا نامداران توران زمین

بشمشیر کین رستم پیلتن
بباریده آتش بران انجمن

بدو گفت سهراب آزادگان
سپه تخت گودرز کشوادگان

که همچون توئی خواند باید پسر
بدین زور و این آتش و این هنر

تو مردان جنگی کجا دیده
که بانگ پی اسپ نشنیده

که چندین ز رستم سخن بر زبان
برانی ستائی ورا هر زمان

گر مش بینم انگاه آیدت یاد
که دریای جوشان بلرزد ز باد

از آتش ترا بیم چندان بود
که دریا بآرام جنبان بود

چو دریای سبز اندر آید ز جای
ندارد دم آتش تیز پای

سر تیرگی اندر آید بخواب
چو تیغ تپش بر کشد آفتاب

چو برگفت ازینگونه سهراب گرد   غمین گشته هزمان[1] همی بر شمرد

دل گفت ناکار دیده هجیر   که گر من نشان گو شیر گیر

بگویم بدین ترک بازو و دست   چنین یال و این خسروانی نشست

بلشکر کند جنگ جوا انجمن   برانگیزد آن باره پیلتن

برین زور و این کتف و این یال اوے   شود کشته رستم بچنگال اوے

ز گردان نیاید کسے جنگجوے   که با او بروے اندر آرد بروے

ز ایران نباشد کسے کینه خواه   بگیرد سر تخت کاؤس شاه

چنین گفت موبد که مردان بنام   به از زنده دشمن بدو شاد کام

اگر من شوم کشته بردست اوے   نگردد سیه روز خون آبجوے

چو گودرز هشتاد پور گزین   همه نامداران با آفرین

چو گیو جهانگیر لشکر شکن   که باشد بهر جا سر انجمن

چو بهرام و رهام گردن فراز   چو شیدوش[2] شیر اوژن رزم ساز

پس از مرگ من مهربانی کنند   ز دشمن بکین جانستانی کنند

نباشد چو ایران تن من مباد   چنین دارم از موبد پاک یاد

چو تن برکشد از زمین بیخ سرو   سزد گر گیا را نبوید تذرو

به سهراب گفت این چه آشفتن است   همه با من از رستمت گفتن است

چرا باید این کینه آراستن   به بیهوده چیزے ز من خواستن

که آگاهی آن نباشد برم   بدین کینه خواهی بریدن سرم

بهانه نباید بخون ریختن   چه باید کنون رنگ آمیختن

همی پیلتن را نخواهی شکست   همانا کت آسان نیاید بدست

---

[1] هزمان   [2] ایک ایرانی مبارزہ

نباید ترا جست با او نبرد — برآرد بآوردگه از تو گرد

تاختن سهراب به خیمهٔ کاؤس و برکندن میخها

چو بشنید گفتارهای درشت — سر پُردلان زود بنمود پشت

نهان کرد از روی دیو چیزی نه گفت — عجب ماند زان گفتهای نهفت

ز بالا زوش تند یک پشت دست — بیفگند رش آمد بجای نشست

بسی کرد اندیشهای دراز — ز هر گونه کرد پیکار ساز

ببست از پی کینه انگ کر — نهاد از سر سروری تاج زر

بپوشید خفتان و بر سر نهاد — یکے ترک رومی بکردار باد

گرفتش سنان و کمان کمند — گران گرز را پهلو وی ببند

ز تندی بجوش آمدش خون و رگ — نشست از بر بارهٔ تیز تگ

بآوردگه رفت چون پیل مست — چو گرده روان اسپش از جا بجست

بمیدان آمد و راشے ناورد کرد — بر آورد بر چهرهٔ ماه گرد

بیامد دمان تا بقلب سپاه — رسید او بنزدیک کاؤس شاه

بکردار گوران و چنگال شیر — رسیدند از وے سران دلیر

ز پاسے و رکیب و ز دست و عنان — ز بانوے و آن آب داده سنان

کس از نامداران ایران سپاه — نیارست کردن بدو در نگاه

وزان پس دلیران شدند انجمن — بگفتند کانیست گو پیلتن

نشاید نگه کردن آسان بدوے — که یاره نشدن پیش او جنگجوے

وزان پس خروشید سهراب گرد — همی شاه کاؤس را بر شمرد

له قصد جنگ

چنین گفت کای شاه آزاد مرد — چگونست کارت بدشت نبرد

چرا کرده‌ٔ نام کاوس کے — که در جنگ شیران نداری تو پے

گر این نیزه در مشت پیچان کنم — سپاه ترا جمله بیجان کنم

یکے سخت سوگند خوردم به بزم — بدان شب کجا[1] گشته شد زنده رزم

کز ایران نمانم یکے نیزه دار — کنم زنده کاوس کے را بدار

که داری ز ایرانیان تیز چنگ — که پیش من آید بدین دشت جنگ

کجا گیو گودرز وطوس دلیر — فریبرز و کاوس و گستهم شیر

سوار جهان رستم نامور — دگر زنگهٔ گرد پرخاش خر

درآیند و مردی نمایند هین — درین رزمگاه از پی خشم و کین

بگفت و همی بود خاموش پس — از ایران ندادش پاسخ کس

ازان پس بجنبید از جاے خویش — بنزدیک پرده سرا رفت پیش

خم آورد پشت و سنان ستیخ[2] — بزد تند و برکند هفتاد میخ

سراپرده یک بهره آمد زپاے — ز هر سو برآمد دم کرنا ے

غمین گشت کاوس و آواز داد — که اے نامداران فرخ نژاد

یکے نزد رستم برید آگهی — کزین ترک شد مغز گردان تهی

ندارم سواری ورا هم نبرد — از ایران نیارد کس این کار کرد

بشد طوس و پیغام کاوس برد — شنیده سخن پیش او برشمرد

بدو گفت رستم که هر شهریار — که کردی مرا ناگهان خواستار

گهے جنگ بودی گهے ساز بزم — ندیدم ز کاوس جز رنج رزم

بفرمود تا رخش را زین کنند — سواران بره باره از چین کنند

[illegible] لشکر کاوس [illegible] میدان [illegible] راست

ز خیمه نگه کرد رستم بدشت ‏ ‏ ز ره گیو را دید کاندر گذشت
نهادند بر رخش رخشنده زین ‏ ‏ همیگفت گرگین که بشتاب زین
همی بست با گرز رهام تنگ ‏ ‏ ببرگستوان[2]. زره ببر پلنگ
همی آن بدین این بدان گفت زود ‏ ‏ تهمتن چو از پرده آوا شنود
بدل گفت این رزم آهرمن است ‏ ‏ نه این رستخیز از پی یک تن است
بزد دست و پوشید ببر بیان ‏ ‏ ببست آن کیانی کمر بر میان
نشست از بر رخش و پیمود راه ‏ ‏ زواره نگهبان گاه و سپاه
بگفت از ایدر مرو پیشتر ‏ ‏ بمن دار گوش از یلان بیشتر
درفشش ببردند با او بهم ‏ ‏ همیرفت پرخاش جوی دژم
چو سهراب را دید آن یال و شاخ[3] ‏ ‏ برش چون بر سام جنگی فراخ
بدو گفت از ایدر[4] به یک سو شویم ‏ ‏ به آوردگه بهر آهو شویم
بجنبید سهراب پرخاش خر ‏ ‏ ز گفت گو پیلتن نامور
بیالید سهراب کف را بکف ‏ ‏ بآوردگه رفت از پیش صف
بگفت او برستم. بدو تازیم ‏ ‏ به یکجای هر دو دو مرد گویم
از ایران و توران نخواهیم کس ‏ ‏ چو من باشم و تو بآورد بس
بیالا بلندی و با کتف و یال ‏ ‏ ستم یافتی ز بسیار سال
بآوردگه مر ترا جای نیست ‏ ‏ ترا خود بیک مشت من پای نیست
نگه کرد رستم بدان سرفراز ‏ ‏ بدان سفت و چنگ و رکیب دراز
بدو گفت نرم ای جوانمرد نرم ‏ ‏ زمین سرد و خشک و هوا نرم و گرم

---

[1] ایک ایرانی پہلوان [2] چمڑے یا نمدے کا جنگی لباس جو پہلوان کے علاوہ گھوڑے کو بھی ڈھک لیتا تھا [3] پیشانی ۔ [4] از اینجا ۔

به پیری بسی دیدم آوردگاه
بسی بر زمین پست کردم سپاه

تبه شد بسی دیو در دست من
ندیدم بدان سو که بودم شکن

نگه کن مرا تا ببینی بجنگ
اگر زنده مانی مترس از نهنگ

مرا دید در جنگ دریا و کوه
که با نامداران توران گروه

چه کردم ستاره گوای من است
بمردی جهان زیر پای من است

کسانیکه دیدند رزم مرا
شمرند گوئی که بزم مرا

همی رحمت آرد بتو بر دلم
نخواهم که جانت ز تن بگسلم

نمانی بترکان بدین یال و سفت
با ایران ندانم ترا نیز جفت

چو آمد ز رستم چنین گفتگوی
بجنبید سهراب را دل بروی

بدو گفت کز تو بپرسم سخن
همه راستی باید افگند بن

یکایک نژادت مرا یاد دار
ز گفتار خوبت مرا شاد دار

من ایدون گمانم که تو رستمی
که از تخمهٔ نامور نیرمی

چنین داد پاسخ که رستم نیم
هم از تخمهٔ سام نیرم نیم

که او پهلوانست و من کهترم
نه با تخت و گاهم نه با افسرم

ز امید سهراب شد ناامید
برو تیره شد روی روز سپید

نبرد رستم با سهراب

بآوردگه رفت و نیزه گرفت
همی ماند از گفت مادر شگفت

یکی تنگ میدان فرو ساختند
بکوتاه نیزه همی باختند

نماند ایچ بر نیزه بند و عنان
بچپ باز بردند هر دو عنان

بشمشیر هندی برآویختند
همی ز آهن آتش فرو ریختند

ز تخم اندرون تیغ شد ریز ریز | چه زخمی که پیدا کند رستخیز
گرفتند از آن پس عمود گران | همی کوفتند آن برین این بر آن
ز تیر و عمود اندر آمد بخم | چمان باد پایان و گردان دژم
ز اسپان فرو ریخت برگستوان | زره پاره شد بر میان گوان
فرو ماند اسپ و دولاور ز کار | یکی را نه بد دست و بازو به کار
تن از خوی پر آب و دهان پر ز خاک | زبان گشته از تشنگی چاک چاک
یک از دیگر استاد آنگاه دور | پر از درد باب و پر از رنج پور
جهانا شگفتی ز کردار تست | شکسته هم از تو هم از تو درست
ازین دو یکی را بجنبید مهر | خرد دور بد مهر ننمود چهر
همی بچه را باز داند ستور | چه ماهی بدریا چه در دشت گور
نداند همی مردم از رنج و آز | یکی دشمنی را ز فرزند باز
بدل گفت رستم که هرگز نهنگ | ندیدم که آید بدینسان بجنگ
مرا خوار شد جنگ دیو سپید | ز مردی شد امروز دل ناامید
ز دست یکی ناسپرده جهان | نه گردی نه نام آوری از مهان
بسیری رسانیدم از روزگار | دو لشکر نظاره برین کارزار
چو آسوده شد باره هر دو مرد | ز آزار جنگ و ز ننگ نبرد
بزه بر نهادند هر دو کمان | یکی سالخورده دگر نوجوان
زره بود و خفتان و ببر بیان | ز کلک و ز پیکان نیامد زیان
بسم تیر باران نمودند سخت | تو گوئی فرو ریخت برگ درخت
غمین شد دل هر دو از یکدگر | گرفتند هر دو دوال کمر
تهمتن اگر دست بردی بسنگ | بکندی سیه سنگ خاره ز جنگ

بزد دانه زمین کوه برداشتی / گران سنگ را موم پنداشتی

کمربند سهراب را چاره کرد / سر از زین بجنباند اندر نبرد

میان جوان را نبد آگهی / بماند از هنر دست رستم تهی

فرو داشت دست از کمربند اوی / شگفتی فرو ماند از بند اوی

دو شیر اوژن از جنگ سیر آمدند / تبه گشته و خسته دیر آمدند

دگر باره سهراب گرز گران / ز زین برکشید و بیفشرد ران

بزد گرز و آورد کتفش بدرد / بپیچید و درد از دلیری بخورد

بخندید سهراب و گفت ای سوار / بزخم دلیران نه‌ای پایدار

بزیر اندرت رخش گویی خر است / دو دست سوار از همه بدتر است

مرا رحمت آید بتو بر ز دل / که از خونت آغشته گشت است گل

اگرچه گوی سرو بالا بود / جوانی کند پیر کانا بود

تهمتن نداد ایچ او را جواب / شگفتی فرو ماند در تیغ و تاب

بپیچی رسید این از آن آن ازین / چنان تنگ شد بر دلیران زمین

که از یکدگر روی برگاشتند / دل و جان باندیشه بگذاشتند

تهمتن بتوران سپه شد بجنگ / بدانسان که نخچیر بیند پلنگ

بایران سپه رفت سهراب گرد / عنان باره تیز تک را سپرد

بزد خویشتن را بایران سپاه / بدستش بسی نامور شد تباه

میان سپه اندر آمد چو گرگ / پراگنده گشتند خرد و بزرگ

چو رستم بنزدیک توران رسید / پشیمان شد آه از جگر برکشید

غمین گشت و اندیشه کرد و دید / که کاوس را بیگمان بد رسید

ازین پر هنر ترک نوخاسته / بخفتان بر و بازو آراسته

بلشکرگه خویش تازید زود — که اندیشهٔ دل بد انگونه بود
میان سپه دید سهراب را — زمین لعل کرده بخوناب را
سر نیزه پر خون و خفتان و دست — چو شیرے که گردد ز نخچیر مست
ز رزم گشت رستم چو او را بدید — خروشے چو شیر ژیان بر کشید
بدو گفت کاے ترک خونخوار مرد — ز ایران سپه جنگ با تو که کرد
چرا دست با من نسودی بهم — چو گرگ آمدی در میان رمه
بدو گفت سهراب توران سپاه — ازین رزم دورند و هم بیگناه
تو آهنگ کردی بدیشان نخست — کسے با تو بیکار و کینه نجست
بدو گفت رستم که شد تیره روز — چو پیدا کند تیغ گیتی فروز
بکشتی بگیریم فردا پگاه — ببینیم تا بر که گرید سپاه
بدین دشت هم دار و هم سرست — که روشن جهان زیر تیغ اندرست
گرایدون که با زور شمشیر و تیر — چنین آشنا شد تو هرگز میر
برفتند و روے هوا تیره گشت — ز سهراب گردون همی خیره گشت
توگفتی ز جنگش سرست آسمان — نیاساید از تاختن یکزمان
دگر باره زیر اندرش آهن است — شگفتے روانست و رویین تن است
شب تیره آمد سوے لشکرش — میان سوده از جنگ و آهن سرش
بهومان چنین گفت کامروز هور — بر آمد جهان کرد پر جنگ و شور
شمارا بسر زان سوار دلیر — که یال یلان داشت چنگال شیر
چه آمد شمارا چه گفت و چه کرد — که او بود هم زور من در نبرد
چه کرد او با لشکرم سربسر — که چون او ندانم به گیتی دگر
یکے پیر مردست بر سان شیر — نگردد ز بیکار و از جنگ سیر

اگر گویم از کار آن نامدار | نه چندان بود کاید اندر شمار

دو بازوش مانندهٔ ران پیل | بجوشد نه آواز او رود نیل

ندانم به گرد جهان سر بسر | که بندد دگر کینه چون او کمر

بدو گفت هومان که فرمان شاه | چنین بُد که زاید ز گنبد سیاه

همه کار ما سخت با ساز بود | بآوردگه کشتن آغاز بود

بیامد یکے مرد پرخاش جوے | بدین لشکر گشن بنهاد روے

تو گفتی ز مستی کنون خاستست | که این جنگ را یک تن آراستست

عنان باز پیچید و برداشت راه | با یران سپه رفت از جایگاه

چنین گفت سهراب کو زین سپاه | نه کرد از دلیران کسے را تباه

از ایرانیان من بسے کشته ام | زمین را بخون چون گل آغشته ام

اگر شیر پیش آمدے بیگمان | ز مستی چنین دان ز گرز گران

وزین به شما جز نظاره نبود | ولیکن نیامد کسے خود چه سود

به چشم چه شیر و پلنگ و هژبر | به پیکان فرو بارم آتش ز ابر

چو گردان مرا دیدے بینند تیز | زره بر تن شان شود ریزه ریز

چو فردا به پیش ست روز بزرگ | پدید آید آنکس که باشد سترگ[له]

بنام خدای جهان آفرین | نمانم ز گردان یکے بر زمین

کنون خوان و مے باید آراستن | بباید همی غم ز دل کاستن

وزان روے رستم سپه را بدید | سخن راند با گیو گفت و شنید

که امروز سهراب جنگ آزمائے | چگونه بجنگ اندر آورد پاے

چنین گفت با رستم گرد گیو | کزان گونه هرگز ندیدیم نیو

لہ بزرگ وستیزه کار

بیامد دمان تا میان سپاه
ز لشکر بر طوس شد کینه خواه

که او بود بر زین و نیزه بدست
چو گرگین فرود آمد و بر نشست

بیامد چو با نیزه او را بدید
بکردار شیر ژیان بردمید

خمیده عمودی بزد بر برش
ز نیزه بیفتاد ترک از سرش

نتابید با او بتابید روی
شدند از دلیران بسی جنگجوی

ز گردان کسی مایهٔ او نداشت
بجز پیلتن پایهٔ او نداشت

هم آیین پیشین نگه داشتم
سپه را بر او هیچ نگذاشتم

به تنها نشد بر برش جنگجوی
سپردیم میدان کینه بدوی

سواری نشد پیش او یک تنه
همی تاخت از قلب تا میمنه

ز هر سو همی شد و تازان دمان
بزیر اندرون بود اسپش چمان

غمین گشت رستم ز گفتار اوی
بر شاه کاوس بنهاد روی

چو کاوس کی پهلوان را بدید
بر خویش نزدیک جایش گزید

ز سهراب رستم زبان برگشاد
ز بالا برزمش همی کرد یاد

که کس در جهان کودکی نارسید
بدین شیر مردی و گردی ندید

ببالا ستاره بساید همی
تنش را زمین بر نتابد همی

دو بازو و رانش چو ران هیون
همانا که دارد سطبری فزون

بتیغ و بتیر و بگرز و کمند
ز هر گونه آزمودیم چند

سرانجام گفتم که من پیش ازین
بسی گرد را برگرفتم ز زین

گرفتم دوال کمربند اوی
بیفشاردم سخت پیوند اوی

همی خواستم کش ز زین برکنم
چو دیگر کسانش بخاک افگنم

گر از باد جنبان شود کوهسار
نجنبد ابر زین مر آن نامدار

ازو بازگشتم که بیگاه بود — که شب سخت تاریک و بیماه بود
بدان تا بگردیم فردا یکی — بکشتی گرائیم ما اندکی
چو فردا بیاید بدشت نبرد — بکشتی همی بایدم چاره کرد
بکوشم ندانم که فیروز کیست — ببینیم تا رای یزدان بچیست
کزاویست پیروزی و دستگاه — هم او آفریننده هور و ماه
بدو گفت کاوس یزدان پاک — تن بدسگالت کند چاک چاک
من امشب به پیش جهان آفرین — بمالم زاوان سر اندر زمین
بدان تا ترا بر وی دستگاه — بدین ترک بدخواه گم کرده راه
کند تازه پژمرده کام ترا — برآید بخورشید نام ترا
بدو گفت رستم که با فر شاه — برآید همه کام نیک‌خواه
بگفت این و برخاست پس پیلتن — دژم گشته از پیش آن انجمن
بلشکرگه خویش بنهاد روی — پر اندیشه جان و سرش کینه جوی
زواره بیامد خلیده روان — که امروز چون گشت بر پهلوان
ازو خوردنی خواست رستم نخست — پس آنگه ز اندیشه دل را بشست
همانگه بدو حال سهراب گرد — سراسر همه هرچه بد برشمرد
سپه را دو فرسنگ بد در میان — کشادن نیارست یک تن میان
چنین راند پیش برادر سخن — که بیدار دل باش تندی مکن
به شبگیر چون من بآوردگاه — روم پیش آن ترک ناورد خواه
بیاور سپاه و درفش مرا — همان تخت و زرینه کفش مرا
همی باش در پیش پرده سرای — چو خورشید تابان برآید ز جای
گر ایدون که پیروز باشم بجنگ — بآوردگه بر نیارم درنگ

دگر خود دگرگونه گردد سخن — تو زاری مساز و تو تندی مکن
میائید یک تن باوردگاه — مسازید جستن سوی رزم راه
یکایک سوی زابلستان شوید — ازایدر بنزدیک دستان شوید
ازو برگشائی یکایک سخن — که روز تهمتن درآمد به بن
چنین بود فرمان یزدان پاک — که گردد بدست جوانی هلاک
تو خورسند گردان دل مادرم — چنین راند ایزد قضا بر سرم
بگویش که تو دل بمن در مبند — مشو جاودان بهر جانم نژند
کس اندر جهان جاودانه نماند — ز گردون مرا خود بهانه نماند
بسی دیو و شیر و پلنگ و نهنگ — تبه شد ز چنگم بهنگام جنگ
بسی باره و دز که کردیم پست — نیاورد کس دست من زیر دست
در مرگ را آن بکوبد که پای — باسپ اندر آرد برآید ز جای
اگر سال گردد فزون از هزار — همین ست راه و همین ست کار
نگه کن بجمشید شاه بلند — همان نیز طهمورث دیوبند
بگیتی چو ایشان نبد شهریار — سرانجام رفتند زی[۱] کردگار
بمردی نگر گرشاسپ[۲] برتر نبود — پسر برین گردگاهش[۳] بسود
نریمان و سام آن دو گردن فراز — ز مُردن بگیتی نبد شان جواز
چو گیتی بر ایشان نماند و بگذشت — مرا نیز بر ره بباید گذشت
همه مرگ رائیم پیر و جوان — بگیتی نماند کسی جاودان
چو خرسند گردد بدستان بگوی — که از شاه گیتی مبر تاب روی

---

۱ سوی۔ نزد۔ ۲ فریدون کے زمانہ کا ایک پہلوان جو جمشید کی نسل سے تھا اور رستم کے اجداد میں تھا ۳ گرد۔

اگر جنگ سازد تو سستی مکن | چنان رو که او راند از بن سخن
زشب نیمهٔ گفت سهراب بود | دگر نیمه آرامش و خواب بود

کشتی گرفتن رستم و سهراب و رهائی یافتن رستم ازو بچاره

چو خورشید رخشان بگسترد پر | سیه زاغ پران فرو برد سر
تهمتن بپوشید ببر بیان | نشست از بر اژدهای دمان
بیامد بدان دشت آوردگاه | نهاده ز آهن بسر بر کلاه
وزان روی سهراب با انجمن | همی مے گسارید باده و زن
بهومان چنین گفت کان شیرمرد | که با من همی گردد اندر نبرد
ز بالای من نیست بالاش کم | برزم اندرون دل ندارد دژم
برو کتف و یالش بماند بمن | تو گفتی که دو نیمه برزد زتن
ز پای و رکیبش همی مهر من | بجنبد بشرم آورد چهر من
نشانهای مادر بیابم همی | بدل نیز لختی بتابم همی
گمانے برم من که او رستم است | که چون او نبرده بگیتی کم است
نباید که من با پدر جنگجوے | شوم خیره رو اندر آرم بروے
زداداره گردم بسے شرمناک | سیه رو روم از سر تیره خاک
نباشد امید سرای دگر | نباید که رزم آورم با پدر
بشاهان گیتی شوم روسیاه | که بر مرز ایران و توران سپاه
بگوید کسے جز به بدنام من | نباشد بهر دو سرا کام من
سراسیمه گردم از آویختن | بجز بد نباشد ز خون ریختن
بدو گفت هومان که در کارزار | رسیدست رستم بمن چند بار

شنیدی که در جنگ مازندران / چه کرد آن سپهبد بگرز گران

بدین رخش ماند همی رخش او / ولیکن ندارد پی و پخش او

چو یک بهره از تیره شب درگذشت / خروش طلایه برآمد ز دشت

جهانجوی سهراب دل پر ز رزم / بآرامگه رفت از تخت بزم

بشبگیر چون بردمید آفتاب / سر جنگجویان برآمد ز خواب

بپوشید سهراب خفتان رزم / سرش پر ز رزم و دلش پر ز بزم

بیامد خروشان بدان دشت جنگ / بچنگ اندرون گرزهٔ گاو رنگ

ز رستم بپرسید خندان دو لب / تو گفتی که با او بهم بود شب

که شب چون بدی روز چون خاستی / ز پیکار دل بر چه آراستی

ز کف بفگن این تیر و شمشیر کین / بزن جنگ بیداد را بر زمین

نشینیم هر دو پیاده بهم / بمی تازه داریم روی دژم

به پیش جهاندار پیمان کنیم / دل از جنگ جستن پشیمان کنیم

همان تا کسی دیگر آید برزم / تو با من بساز و بیارای بزم

دل من همی بر تو مهر آورد / همی آب شرمم بچهر آورد

همانا که داری ز گردان نژاد / کنی پیش من گوهر خویش یاد

ز نام تو گردم همی جستجوی / نگفتند نامت تو با من بگوی

ز من نام پنهان نبایدت کرد / چو گشتی تو با من کنون هم نبرد

مگر پور دستان سام یلی / گزین نامور رستم زابلی

بدو گفت رستم که ای نامجوی / نکردیم هرگز چنین گفتگوی

ز کشتی گرفتن سخن بود دوش / نگیرم فریب تو زین در مکوش

نه من کودکم گر تو هستی جوان / بکشتی کمر بسته دارم میان

بکوشیم و فرجام کار آن بود
دو بیگر که در جای تنگ و نبرد
بسی گشته ام در فراز و نشیب
بدو گفت سهراب کای مرد پیر
مرا آرزو بد که بر رستمت
کسی کز تو ماند ستودان کند
اگر هوش تو زیر دست من است
ز اسپان جنگی فرود آمدند
ببستند بر سنگ اسپ نبرد
چو شیران بکشتی برآویختند
ز دو دست سهراب چون پیل مست
کمربند رستم گرفت و کشید
برستم در آویخت چون پیل مست
یکی نعره بزد پر از خشم و کین
نشست از بر سینهٔ پیلتن
بکردار شیری که بر گور نر
یکی خنجر آبگون برکشید
نگه کرد رستم بآواز گفت
بسهراب گفت ای یل شیرگیر
دگرگونه این باشد آیین ما
کسی کو بکشتی نبرد آورد
نخستین که پشتش نهد بر زمین

که فرمان و رای جهانبان بود
ز رزمش بجویند مردان مرد
نیم مرد گفتار زرق و فریب
اگر نیست پند منت جایگیر
برآید بهنگام هوش از برت
تبرد روان تن بزندان کند
بفرمان یزدان برآرم ز دست
هشیوار با گبر و خود آمدند
برفتند هر دو دوان پر ز درد
ز تنها خوی و خون همی ریختند
چو شیر دمنده ز جا در بجست
زبس زور گفتی زمین بردرید
برآوردش از جای و بنهاد پست
بزد رستم شیر را بر زمین
پر از خاک چنگال و روی و دهن
ز دو دست گور اندر آید بسر
همیخواست اندر سرش را برید
که این راز باید کشاد از نهفت
کمنداَفگن و گرز و شمشیرگیر
جز این باشد آرایش دین ما
سر مهتری زیر گرد آورد
نبرد سرش گرچه باشد بکین

اگر بار دیگر پشتش زیر آورد
بود با شد او سر کند زو جدا
بدین چاره از چنگ نر اژدها
دلیر جوان سر بگفتار پیر
یکی از دلیری دوم از رای
رها کرد از دست و آمد بدشت
همی کرد نخچیر یادش نبود
همی دیر شد باز هومان چو گرد
بهومان بگفت آنچنان رفته بود
بدو گفت هومان دریغ ای جوان
دریغ این بر و برز و بالای تو
هژبری که آورده بودی بدام
نگه کن گزین بیهده کار کرد
یکی داستان زد بدین شهریار
بگفت و دل از جان او برگرفت
بلشکرگه خویش بنهاد روی
بهومان چنین گفت سهراب گرد
که فردا بیاید بر من بجنگ
چو رستم ز چنگ وی آزاد گشت
خرامان بشد سوی آب روان
بخورد آب و روی و سر و تن بشست

بافگندش نام مشیر آورد
بدینگونه باشد آیین ما
نمیخواست یا بند کشتن رها
براده نبود آن
سوم از جوانمردیش بیگمان
بدشتی که بر پیش آهو گذشت
ازان کس که با او نبرد آزمود
بیامد بپرسید از او از نبرد
سخن هرچه رستم بدو گفته بود
بسیری رسیدی همانا ز جان
رکیب دراز و سیلی پای تو
رها کردی از دست و شد کار خام
چه آید به پیشت بدشت نبرد
که دشمن مدار ارچه خرد دست خوار
پرانده همی ماند اندر شگفت
بخشم و پر از غم دل از کار اوی
که اندیشه از دل بباید سترد
بپینی بگردنش بر پا نهنگ
بسان یکی کوه پولاد گشت
چو جان رفته گویا بیابد روان
به پیش جهان آفرین شد نخست

برزم بنالید بر بی نیاز — نیایش همی کرد بر چاره ساز
همی خواست پیروزی و دستگاه — نبود آگه از بخشش خورشید و ماه
که چون رفت خواهد سپهر از برش — بخواهد ربودن کلاه از سرش
شنیدم که رستم ز آغاز کار — چنان یافت نیرو ز پروردگار
که گر سنگ را او بسر بر شدی — همی هر دو پایش بدو در شدی
ازان زور پیوسته رنجور بود — دل او ازان آرزو دور بود
بنالید بر کردگار جهان — بزاری همی آرزو کرد آن
که لختی ز زورش ستاند همی — که رفتن بره بر تواند همی
بدانسان که از پاک یزدان بخواست — ز نیروی آن کوه پیکر بکاست
چو باز آنچنان کار پیش آمدش — دل از بیم سهراب ریش آمدش
بیزدان بنالید کای کردگار — بدین کار این بنده را پاسدار
همان زور خواهم کز آغاز کار — مرا دادی ای پاک پروردگار
بدو باز داد آنچنان کش بخواست — بیفزود چون تن هر آنچش بکاست
وزان آبخور شد بجای نبرد — پر اندیشه بودش دل و روی زرد
همی تاخت سهراب چون پیل مست — کمندی ببازو کمانی بدست
گرازان و چون شیر نعره زنان — سمندش جهان و جهان را کنان
برانگونه رستم چو او را بدید — عجب ماند و روی همی بنگرید
غمین گشت و زو ماند اندر شگفت — ز پیکارش اندازها برگرفت
چو سهراب باز آمد او را بدید — زیاد جوانی دلش بردمید
چو نزدیکتر شد بدو بنگرید — مر او را بدان فر و آن زور دید
چنین گفت کای رسته از چنگ شیر — چرا آمدی باز نزدم دلیر
چرا آمدی باز پیشم بجنگ — سوی راستی خود نداری تو روی

همانا که از جان تو سیر آمدی | که در جنگ شیران دلیر آمدی
دو بارت امان دادم از کارزار | به پیریت بخشیدم ای نامدار
چنین داد پاسخ بدو پیلتن | که ای نامور گرد لشکرشکن
نگویند زین گونه مردان مرد | همانا جوانی ترا غره کرد
ببینی کزین پس مرد دلیر | چه آید بروی تو ای نره شیر
هر آنگه که خشم آورد بخت شوم | شود سنگ خارا بکردار موم

کشته شدن سهراب بدست رستم

دگر باره اسپان ببستند سخت | بسر بر همی گشت بدخواه بخت
بکشتی گرفتن نهادند سر | گرفتند هر دو دوال کمر
سپهدار سهراب آن زوردست | تو گفتی که چرخ بلندش ببست
غمین گشت رستم بیازید چنگ | گرفت آن سر و یال جنگی پلنگ
خم آورد پشت دلاور جوان | زمانه سر آمد نبودش توان
زدش بر زمین بر بکردار شیر | بدانست کو هم نماند بزیر
سبک تیغ تیز از میان برکشید | بر پور بیدار دل بر درید
بپیچید از آن پس یکی آه کرد | ز نیک و بد اندیشه کوتاه کرد
بدو گفت کاین بر من از من رسید | زمانه بدست تو دادم کلید
تو زین بیگناهی که این گوژپشت | مرا برکشید و بزودی بکشت
ببازی بگویند همسال من | بخاک اندر آمد چنین یال من
نشان داد مادر مرا از پدر | ز مهر اندر آمد روانم بسر
همی جستمش تا ببینمش روی | چنین جان بدادم بدین آرزوی
دریغا که رنجم نیامد بسر | ندیدم درین هیچ روی پدر

کنون گر تو در آب ماهی شوی   و یا چون شب اندر سیاهی شوی
دگر چون ستاره شوی بر سپهر   ببری ز روی زمین پاک مهر
بخواهد هم از تو پدر کین من   چو بیند که خشت است بالین من
ازان نامداران گردنکشان   کسی هم برد سوی رستم نشان
که سهراب کشت است افگنده خوار   همیخواست کردن ترا خواستار
چو بشنید رستم سرش خیره گشت   جهان پیش چشم اندرش تیره گشت
همی بی تن و تاب و بی توش گشت   بیفتاد از پای و بیهوش گشت
بپرسید ازان پس که آمد بهوش   بدو گفت با ناله و با خروش
بگو تا چه داری ز رستم نشان   که گم باد نامش ز گردنکشان
که رستم منم کم بماناد نام   نشیناد بر ماتمم پور سام
بزد نعره و خونش آمد بجوش   همی کند موی و همی زد خروش
چو سهراب رستم بدانسان بدید   بیفتاد و هوش از سرش بر پرید
بدو گفت گر زانکه رستم توئی   بکشتی مرا خیره بر بدخوئی
ز هر گونه بودم ترا رهنمای   بجنبید یک ذرّه مهرت ز جای
کنون بند بگشای از جوشنم   برهنه به بین این تن روشنم
ببازوم بر مهرهٔ خود نگر   ببین تا چه دید این پسر از پدر
چو برخاست آواز کوس از درم   بیامد پر از خون دو رخ مادرم
همی جانش از رفتن من بخست   یکی مهره بر بازوی من ببست
مرا گفت کاین از پدر یادگار   بدار و ببین تا کی آید بکار
کنون کارگر شد که پیکار گشت   پسر پیش چشم پدر خوار گشت
چو بگشاد خفتان و آن مهره دید   همی جامه بر خویشتن بردرید
همیگفت کای کشته بر دست من   دلیر و ستوده بهر انجمن

همی ریخت خون و همی کند موی / سرش پر ز خاک و پر از آب روی
بدو گفت سهراب کین بدتریست / به آب دو دیده نباید گریست
ازین خویشتن کشتن اکنون چه سود / چنین رفت و این بودنی کار بود
چو خورشید تابان ز گنبد بگشت / تهمتن نیامد به لشکر ز دشت
ز لشکر بیامد هشیوار بیست / که تا اندر آوردگه کار چیست
دو اسپ اندران دشت بر پای بود / پر از گرد رستم دگر جای بود
گو پیلتن را چو بر پشت زین / ندیدند گردان دران دشت کین
چنان بد گمانشان که او کشته شد / سر نامداران همه گشته شد
بکاوس کی تاختند آگهی / که تخت مهی شد ز رستم تهی
ز لشکر بر آمد سراسر خروش / بهم آمد زمانه یکایک بجوش
بفرمود کاوس تا بوق و کوس / دمیدند و آمد سپهدار طوس
وزان پس بلشکر چنین گفت شاه / گرایدر هیونی سوی رزمگاه
بتازید تا کار سهراب چیست / که بر شهر ایران بباید گریست
اگر کشته شد رستم جنگجوی / از ایران که یارد شدن پیش اوی
بباید چو جمشید آواره گشت / که بنهیم سر جمله در کوه و دشت
به انبوه زخمی بباید زدن / بدین رزمگه بر نشاید بدن
چو آشوب برخاست از انجمن / چنین گفت سهراب با پیلتن
که اکنون چو روز من اندر گذشت / همه کار ترکان دگرگونه گشت
همه مهربانی بدان کن که شاه / سوی جنگ توران نراند سپاه
که ایشان ز بهر من جنگجوی / سوی مرز ایران نهادند روی
نباید که بینند رنجی براه / مکن جز به نیکی در ایشان نگاه
بسی روز را داده بودم نوید / بسی کرده بودم ز هر در امید

بگفتم اگر زندہ بینم پدر | بگیتی نمانم یکے تاجور
چو دانستم اے پہلوِ نامور | کہ باشد روانم بدست پدر
درین دشت دلیری بہ بند من است | گرفتار خم کمندِ من است
بسے زد نشان تو پرسیدہ ام | ہمہ بد خیال تو در دیدہ ام
جز آن بود یکسر سخنہاے اوے | از و باز ماند تہی جاے اوے
چو گشتم ز گفتار او نا امید | شدم لاجرم تیرہ روز سپید
ببین تا کدام است از ایرانیان | نباید کہ آید بجا کش زیان
نشانے کہ بُد دادہ مادر مرا | بدیدم نہ بُد دیدہ باور مرا
چنینم نوشتہ بد اختر بسر | کہ من گشتہ گردم بدست پدر
چو برق آمدم رفتم اکنون چو باد | بمینو مگر بینمت باز شاد
ز بختی برستم فرو بست دم | پر آتش دل و دیدگان پر ز نم
نشست از بر رخش رستم چو گرد | پر از خون دل و لب پر از باد سرد
بیامد بہ پیش سپہ با خروش | دل از کردۂ خویش پر درد و جوش
چو دیدند ایرانیان روے اوے | ہمہ بر نہادند بر خاک روے
ستایش گرفتند بر کردگار | کہ او زندہ باز آمد از کارزار
چو زانگونہ دیدند بر خاک سر | دریدہ ہمہ جامہ و خستہ بر
بپرسش گرفتند کاین کار چیست | ترا دل بدینگونہ از بہر کیست
بگفت آن شگفتے کہ خود کردہ بود | گرامی پسر را کہ آزردہ بود
ہمہ برگرفتند با او خروش | نماند آن زمان با سپہدار ہوش
چنین گفت با سرفرازان کہ من | نہ دل دارم امروز گوئی نہ تن
شما جنگ ترکان مجوئید کس | کہ این بد کہ من کردم امروز بس
زوارہ بیامد بر پیلتن | دریدہ برو جامہ و خستہ تن

چو رستم برادر بر آنگونه دید بگفت آنچه از پور گشته شنید
پشیمان شدم من ز کردار خویش ستانم مکافات زاندیشه بیش
دریده جگرگاه پور جوان بگرید برو چرخ تا جاودان
پسر را بکشتم به پیرانه سر بریده پی و بیخ آن نامور
فرستاد نزدیک هومان پیام که شمشیر کین ماند اندر نیام
نگهدار آن لشکر اکنون توئی نگه کن بدیشان مگر نغنوی
که با تو مرا روز پیکار نیست همان پیش ازین جای گفتار نیست
برادرش را گفت پس پهلوان که برگرد ای گرد روشن روان
تو با او برو تا لب رود آب مکن بر کسی هیچگونه شتاب
زواره بیامد هم اندر زمان بهومان سخن گفت از پهلوان
بپاسخ چنین گفت هومان گرد که بنمود سهراب را دست برد
هجیر ستیزنده بدگمان که میداشت راز سپهبد نهان
نشان پدر جست یا او نگفت روانش به بیدانشی بود جفت
همه این بد از شومی او رسید بباید مر او را سر از تن برید
زواره بیامد بر پیلتن ز هومان سخن رانده از انجمن
ز کار هجیر بد بدگمان که سهراب را اندر آمد زمان
تهمتن ز گفتار او خیره گشت جهان پیش چشم اندرش تیره گشت
به نزد هجیر آمد از دشت کین گریبانش بگرفت و زد بر زمین
یکی خنجر آبگون بر کشید سرش را همیخواست از تن برید
بزرگان بپوزش فراز آمدند هجیر از گو پیلتن بستدند
چو برگشت از آنجایگه پهلوان بیامد بر خسته پور جوان
بزرگان برفتند با او بهم چه طوس و چه گودرز و چون گستهم

همه لشکر از بهر آن ارجمند / زبان برگشادند یکسر زبند
که درمان این کار یزدان کند / مگر کاین غمان بر تو آسان کند
یکی دشنه بگرفت رستم بدست / که از تن ببرد سر خویش پست
بزرگان بدو اندر آویختند / ز مژگان همی خون دل ریختند
بدو گفت گودرز کاکنون چه سود / گر از روی گیتی برآری تو دود
تو بر خویشتن گر کنی صد گزند / چه آسانی آید بدان ارجمند
اگر مانده باشد مر او را زمان / بماند به گیتی تو با او بمان
وگر زین جهان آن جوان رفتنی ست / نگه کن بگیتی که جاوید کیست
شکاریم یکسر همه پیش مرگ / سری زیر تاج و سری زیر ترگ[۱]
چو آیدش هنگام بیرون کنند / وزان پس ندانیم تا چون کنند
درازست راهش اگر کوته است / پراگنده گانیم اگر همره است
ز مرگ ای سپهبد به اندوه کیست / همی خویشتن را بباید گریست

نوشدارو خواستن رستم از کاوس برای سهراب وندادن او آن را

بگودرز گفت آن زمان پهلوان / که ای گرد با نام روشن روان
پیامی ز من پیش کاوس بر / بگویش که ما را چه آمد بسر
بدشنه جگرگاه پور دلیر / دریدم که رستم مماناد دیر
گرت هیچ یاد است کردار من / یکی رنجه کن دل به تیمار من
از آن نوشدارو که در گنج تست / کجا خستگان را کند تندرست
بنزدیک من با یکی جام می / سزد گر فرستی هم اکنون ز پی
مگر کو به بخت تو بهتر شود / چو من پیش تخت تو کهتر شود

---

[۱] کلاه آهنی

بیامد سپهبد بکردار باد — بکاؤس کیسر پیامش بداد
بدو گفت کاؤس کز پیلتن — کرا بیشتر آب نزدیک من
نخواهم کہ او را بد آید بروے — کہ هستش بسے نزد من آبروے
ولیکن اگر دارو ے نوش من — دهم زنده ماند یل پیلتن
کند پشت رستم بہ نیرو ترا — هلاک آورد بیگمان مر مرا
شنیدی کہ او گفت کاؤس کیست — گر او شهریار است پس طوس چیست
اگر یک زمان زو بمن بد رسد — نسازیم پاداش او جز بہ بد
همان تیز سهراب برگشتہ بخت — کہ سوگند خوردی بتاج و بہ تخت
بدین نیزہ ات گفت بیجان کنم — سرت بر سر دار بیجان کنم
کجا گنجد اندر جهان فراخ — بدان فر و برز و بدان یال و شاخ
کجا باشد او پیش تختم بپاے — کجا راند او زیر فر هماے
نخواهم بہ نیکی سوے او نگاه — اگر تاج بخش است و گر زر مخواه
بدشنام چندے مرا بر شمرد — بہ پیش سپہ آبرو هم ببرد
چو فرزند او زنده باشد مرا — بکیے خاک باشد بدست اندرا
سخنهاے سهراب نشنیدهٔ — نہ مرد بزرگ جهان دیدهٔ
گزایرانیان سر ببرم هزار — کنم زنده کاؤس کے را بدار
اگر ماند او زنده اندر جهان — بپیچند از وی کهان و مهان
کسے دشمن خویشتن پرورد — بگیتی درون نام بد گسترد
چو بشنید گودرز برگشت زود — برستم آمد بکردار دود
بدو گفت خوے بد شهریار — درختے ست خنظل همیشہ ببار
بتندی بگیتی ورا یار نیست — همان رنج کس را خریدار نیست
ترا رفت باید بنزدیک اوے — کہ روشن کنی جان تاریک اوے

بفرمود رستم که تا پیش کار ‏ یکی جامه آرد برش پرنگار

جوان را بر آن جامهٔ زرنگار ‏ بخواباند و آمد بر شهریار

گو پیلتن سر سوی راه کرد ‏ کس آمد به پیشش زود آگاه کرد

که سهراب شد زین جهان فراخ ‏ همی از تو تابوت خواهد نه کاخ

زاری کردن رستم بر سهراب و بردن تابوتش به زابلستان نزد سام و رودابه

چو بشنید رستم خراشید روی ‏ همی زد بسینه همی کند موی

بدر جست و بر زد یکی سرد باد ‏ بنالید و مژگان بهم برنهاد

پیاده شد از اسپ رستم چو باد ‏ بجای کله خاک بر سر نهاد

بزرگان لشکر همه همچنان ‏ غریوان و گریان و زاری کنان

همیگفت زارا ای نبرده جوان ‏ سرافراز و از تخمهٔ پهلوان

نبیند چو تو نیز خورشید و ماه ‏ نه جوشن نه خود و نه تخت و کلاه

کرا آمد این پیش کآمد مرا ‏ که فرزند کشتم به پیران سرا

نبیره جهاندار سام سوار ‏ سوی مادر از تخمهٔ نامدار

بریدن دو دستم سزاوار هست ‏ جز از خاک تیره مبادم نشست

که فرزند سهراب دادم بباد ‏ که چون او گوی نامداری نزاد

ز سام نریمان و گرشاسپ گیو ‏ بمردی فزون بود گردان نیو

چو من نیست در گرد گیهان یکی ‏ بمردی بدم پیش او کودکی

چه گویم چو آگه شود مادرش ‏ چگونه فرستم کسی را برش

چه گویم چرا کشتمش بی گناه ‏ چرا روز کردم برو بر سیاه

کدامی پدر این چنین کار کرد ‏ سزاوارم اکنون بگفتار سرد

بگیتی که کشته است فرزند را ‏ دلیر و جوان و خردمند را

پدرش آن گرانمایه تر پهلوان
چه گوید بدان دخت پاک جوان

که رستم بکینه برو دست یافت
بدشنه جگرگاه او بر شگافت

برین تخمهٔ سام نفرین کنند
مرا نام بی مهر و بی دین کنند

که دانست کاین کودک ارجمند
بدین سال گردد چو سرو بلند

بجنگ آیدش رای و سازد سپاه
بمن بر کند روز روشن سیاه

بفرمود تا دیبهٔ خسروان
کشیدند بر روی پور جوان

همی آرزو گاه شهر آمدش
یکی تنگ تابوت بهر آمدش

ازان دشت بردند تابوت اوی
سوی خیمهٔ خویش بنهاد روی

به پرده سرا آتش اندر زدند
همه لشکرش خاک بر سر زدند

همان خیمه و دیبهٔ رنگ رنگ
همه تخت بر پایهٔ زرین پلنگ

بر آتش نهادند برخاست غو
همی گفت زاری جهاندار گو

جهان چون تو دیگر نبیند سوار
بمردی و گردی گه کارزار

دریغ آن همه مردی و رای تو
دریغ آن رخ و برز و بالای تو

دریغ این غم و حسرت جان گسل
ز مادر جدا و ز پدر داغ دل

نکوهش فراوان کند زال زر
همان نیز رودابهٔ پرهنر

چگویند گردان و گردنکشان
چو زینسان شود نزد ایشان نشان

ازین چون بایشان رسد آگهی
که برکندم از باغ سرو سهی

بدین کار پوزش چه پیش آورم
که دل شان بگفتار خویش آورم

همی ریخت خون و همی کند خاک
بتن جامهٔ خسروی کرد چاک

همه پهلوانان کاوس شاه
نشستند بر خاک با او براه

زبان بزرگان پر از پند بود
تهمتن بدرد جگر بند بود

چنین است کردار چرخ بلند ‏ بدستی کلاه و بدیگر کمند
چو شادان نشیند کسی با کلاه ‏ بخم کمندش رباید ز گاه
چرا مهر باید همی بر جهان ‏ چو باید خرامید با همرهان
یکی دائره آمده چنبری ‏ فرادان درین دائره داوری
نه هر پادشاه و نه هر بنده را ‏ شناسد نه نادان نه داننده را
جهان سرگذشت ست از هر کسی ‏ چنین گونه گون بازی آرد بسی
چو اندیشه بود گردد دراز ‏ همی گشت باید سوی خاک باز
اگر چرخ را هست ازین آگهی ‏ همانا که گشت ست مغزش تهی
چنان دان کزین گردش آگاه نیست ‏ بچون و چرا سوی او راه نیست
بدین رفتن اکنون نباید گریست ‏ ندانیم فرجام این کار چیست
ز سهراب چون شد خبر نزد شاه ‏ بیامد بنزدیک او با سپاه
برستم چنین گفت کاوس کی ‏ که از کوه البرز تا برگ نی
همی برد خواهد بگردش سپهر ‏ نباید فگندن بدین خاک مهر
یکی زود سازد یکی دیرتر ‏ سرانجام بر مرگ باشد گذر
دل و جان بدین رفته خرسند کن ‏ همه گوش سوی خردمند کن
اگر آسمان بر زمین بر زنی ‏ وگر آتش اندر جهان در زنی
نیابی همه رفته را باز جای ‏ روانش کهن دان بدیگر سرای
من از دور دیدم بر و یال اوی ‏ چنان برز و بالا و گوپال اوی
بگفتم به ترکان نماند همی ‏ ز تخم بزرگان بماند همی
زمانه برانگیختش با سپاه ‏ که ایدر بدست تو گردد تباه
چه سازی و درمان این کار چیست ‏ بدین رفته تا چند خواهی گریست

بدو گفت رستم که او خود گذشت — نشستست هومان بدین پهن دشت
ز توران سرانند چندی ز چین — از ایشان بدل در مدار ایچ کین
زواره سپه را گذارد به راه — به نیروی یزدان و فرمان شاه
بدو گفت شاه ای گو نامجوی — ازین رزم اندوهت آید بروی
گر ایشان بمن چند بد کرده اند — دگر دود از ایران برآورده اند
ولیکن چو رای تو با جنگ نیست — مرا نیز با جنگ آهنگ نیست
دل من ز درد تو شد پر ز درد — نخواهم از ایشان بکین یاد کرد
بهجیر دلاور بیامد ز راه — چنین گفت کز پیش رفت آن سپاه
وزان جایگه شاه لشکر براند — بایران خرامید رستم بماند
بدان تا زواره بیاید ز راه — بدو آگهی آورد زان سپاه
زواره بیامد سپیده دمان — سپه را نمود رستم هم اندر زمان
بریده دم باد پایان هزار — بر از خاک سر مهتران نامدار
بریده همه سر اخرانه دم — دریده همه کوس روئینه خم
سپه پیش تابوت میراندند — تبیرگان بسر خاک بفشاندند
پس آنگه سوی زابلستان کشید — چو آگاهی اندر بدستان رسید
همه سیستان پیش باز آمدند — برنج و بدرد و گداز آمدند
چو تابوت را دید دستان سام — فرود آمد از اسپ زرین لگام
تهمتن پیاده همی رفت پیش — دریده همه جامه دل کرده ریش
گشادند گردان سراسر کمر — همه پیش تابوت برخاک سر
همه رخ کبود و همه جامه چاک — بسر بر فشاندند برین سوگ خاک
گرفتند تابوت او سر بزیر — دریغ آن چنان نامدار دلیر

غریو آمد از شهر توران زمین — که سهراب شد کشته بر دشت کین
خبر زد بشاه سمنگان رسید — همه جامه بر خویشتن بر درید

آگاهی یافتن مادر سهراب از کشته شدنش

بمادر خبر شد که سهراب گرد — ز تیغ پدر خسته گشت و بمرد
خروشید و جوشید و جامه درید — بزاری بر آن کودک نارسید
بزد چنگ و بدرید پیراهنش — درخشان شد آن لعل زیبا تنش
برآورد بانگ و غریو و خروش — زمان تا زمان زو همی رفت هوش
فرو برد ناخن دو دیده بکند — برآورد بالا در آتش فگند
مر آن زلف چون تاب داده کمند — بانگشت پیچید و از بن بکند
روان گشته از روی او جوی خون — زمان تا زمان اندر آمد نگون
همه خاک تیره بسر بر فگند — بدندان ز بازوی خود گوشت کند
بسر بر فگند آتش و بر فروخت — همه موی مشکین باتش بسوخت
همیگفت کای جان مادر کنون — کجائی سرشته بخاک و بخون
غریب و اسیر و نژند و نزار — بخاک اندرون آن تن نامدار
دو چشمم بره بود گفتم مگر — ز سهراب و رستم بیابم خبر
گمانم چنان بود گفتم کنون — بگشتی بگرد جهان اندرون
پدر را همی جستی و یافتی — کنون با دل تیز بشتافتی
چه دانستم ای پور کاید خبر — که رستم بخنجر دریدت جگر
دریغش نیامد همه روی تو — ازان برز و بالای و بازوی تو
ازان گرد گاهش نیامد دریغ — که ببرید رستم به برنده تیغ
بپرورده بودم تنش را بناز — بر خشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقہ گشت ‌ ‌ ‌ کفن بر تن پاک او جوشنہ گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار ‌ ‌ ‌ کہ خواہد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش ‌ ‌ ‌ کرا خوانم اکنون بجاے تو پیش

دریغا تن و جان و چشم و چراغ ‌ ‌ ‌ بخاک اندرون ماندہ از کاخ و باغ

پدر جستی اے گرد لشکر پناہ ‌ ‌ ‌ بجاے پدر گورت آمد براہ

از امید نومید گشتی تو زار ‌ ‌ ‌ بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنہ را برکشید ‌ ‌ ‌ جگرگاہ سیمین تو بردرید

چرا آن نشانے کہ مادرت داد ‌ ‌ ‌ ندادی بدو بر بکردیش یاد

نشان دادہ بد از پدر مادرت ‌ ‌ ‌ ز بہر چہ نامد ہمی باورت

کنون مادرت ماند بے تو اسیر ‌ ‌ ‌ پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر ‌ ‌ ‌ کہ گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختی ‌ ‌ ‌ ترا با من اے پور بنواختی

بینداختی تیغ آن سرفراز ‌ ‌ ‌ نکردی جگرگاہت اے پور باز

ہمیگفت و می خست و میکند موے ‌ ‌ ‌ ہمی زد کف دست بر خود بروے

ہمیگفت مادرت بیچارہ گشت ‌ ‌ ‌ بخنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

زہر سو برو انجمن گشت خلق ‌ ‌ ‌ کزان گریہ در خون ہمیگشت غرق

زبس کو ہمی شیون و نالہ کرد ‌ ‌ ‌ ہمہ خلق را چشم پر ژالہ کرد

برینگونہ بیہش بیفتاد و پست ‌ ‌ ‌ ہمہ خلق را دل براو بر بخست

بیفتاد بر خاک چون مردہ گشت ‌ ‌ ‌ تو گفتی ہمی خونش افسردہ گشت

بہوش آمدہ باز نالش گرفت ‌ ‌ ‌ بران پور کشتہ سگالش گرفت

ز خون او ہمی لعل کرد آب را ‌ ‌ ‌ بہ پیش آوریدا سپ سہراب را

سر اسپ او را بہ بر در گرفت ‌ ‌ ‌ بماندہ جہانے بدو در شگفت

سگی بوسه زد بر سرش گه بر شے — زخون زیر سمش همی راند جوے

زخون مژه خاک را کرد لعل — همی روے مالید بر سم نعل

برآورد آن جامهٔ شاهوار — گرفتش چو فرزند اندر کنار

بیاورد خفتان و درع و کمان — همان نیزه و تیغ و گرز گران

بسر بر همی زد گران گرز را — همی یاد کرد آن بر و برز را

بیاورد آن جوشن و خود اوے — همیگفت کای شیر پرخاشجوے

بیاورد زین و لگام و سپر — لگام و سپر را همی زد بسر

کمندش بیاورد هفتاد باز — به پیش خود اندر فگندش دراز

همی تیغ سهراب را برکشید — فش و دم اسپش ز نیمه برید

بدرویش داد این همه خواسته — ز زر و سیم و اسپان آراسته

در کاخ بر بست و تختش بکند — ز بالا در آورد پستش فگند

فرو هشت جائیکه بر جائے بزم — ازان بزمگه رفته بودش برزم

در خانها را سیه کرد پاک — ز کاخ و در ایوانش برآورد خاک

بپوشید پس جامهٔ نیلگون — همان نیلگون غرق گشته بخون

بمه زد بشب مویه کرد و گریست — پس از مرگ سهراب سالے بزیست

سرانجام هم در غم او بمرد — روانش بشد سوے سهراب گرد

چنین گفت بهرام شیرین سخن — که با مردگان آشنائی مکن

نه ایدر همی ماند خواهی دراز — بسیچیده باش و درنگے مساز

چنین است رسم سراے کهن — سرش هیچ پیدا نه بینی ز تن

بتو داد یک روز نوبت پدر — سزد گر ترا نوبت آید بسر

چنین است و رازش نیامد پدید — نیابی بخیره چه جوئی کلید

در بسته را کس نداند کشاد — بدان رنج عمر تو گردد بباد

دل اندر سراے سپنجی مبند　　سپنجی نباشد بسے سودمند
بدین داستان من سخن ساختم　　دگر بر سیاوش به پرداختم

گفتار در ہجو سلطان محمود

ایا شاه محمود کشور کشاے　　زکس گر نترسی بترس از خداے
که پیش از تو شاهان فراوان بدند　　همه تاجداران گیهان بدند
فزون از تو بودند یکسر بجاه　　به گنج و سپاه و به تخت و کلاه
نکردند جز خوبی و راستی　　نگشتند گرد کم و کاستی
همه داد کردند بر زیر دست　　نبودند جز پاک یزدان پرست
بجستند از دهر جز نام نیک　　وزان نام جستن سرانجام نیک
هر آن شه که در بند دینار بود　　بنزدیک اهل خرد خوار بود
گر آیدون که شاهی و گیتی تراست　　بگوئی که این خیره گفتن چراست
ندیدی تو این خاطر تیز من　　نیندیشی از تیغ خونریز من
که بددین و بدکیش خوانی مرا　　منم شیر نر میش خوانی مرا
مرا غمز کردند کان بدسخن　　بمهر نبیؐ و علیؑ شد کهن
هر آنکس که در دلش بغض علیست　　ازو در جهان خوارتر گو که کیست
منم بندهٔ هر دو تا رستخیز　　اگر شه کند پیکرم ریزه ریز
من از مهر این هر دو شه نگذرم　　اگر تیغ شه بگذرد بر سرم
منم بندهٔ اهل بیت نبیؐ　　ستایندهٔ خاک پاے وصی
مرا سهم دادی که در پاے پیل　　تنت را بسایم چو دریای نیل
نترسم که دارم ز روشندلی　　بدل مهر جان نبیؐ و علیؑ
چو گفت آن خداوند تنزیل و وحی　　خداوند امر و خداوند نهی

که من شهر علمم علیم در است — درست این سخن گفت پیغمبر است

گواهی دهم کاین سخن راز اوست — تو گویی دو گوشم بر آواز اوست

چو باشد ترا عقل و تدبیر و رای — بنزد نبی و وصی گیر جای

گرت زین بد آید گناه منست — چنین است و این رسم و راه منست

باین زاده‌ام هم باین بگذرم — چنان دان که خاک پی حیدرم

ابا دیگران مر مرا کار نیست — برین در مرا جای گفتار نیست

اگر شاه محمود ازین بگذرد — مر او را بیکجو نسنجد خرد

چو بر تخت شاهی نشاند خدای — نبی و علی را بدیگر سرای

گر از مهر شان من حکایت کنم — چو محمود را صد حمایت کنم

جهان تا بود شهریاران بود — پیامم بر تاجداران بود

که فردوسی طوسی پاک جفت — نه این نامه بر نام محمود گفت

بنام نبی و علی گفته ام — گهرهای معنی بسی سفته ام

چو فردوسی اندر زمانه نبود — بدان بد که بخشش جوانه نبود

نکردی درین نامهٔ من نگاه — بگفتار بدگوی گشتی ز راه

هر آنکس که شعر مرا کرد پشت — نگیردش گردون گردنده دست

من این نامهٔ شهریاران پیش — بگفتم بدین نغز گفتار خویش

چو عمرم بنزدیک هشتاد شد — امیدم بیکباره برباد شد

بسی سال اندر سرای سپنج — چنین رنج بردم بامید گنج

ز ابیات غرا دو ره سی هزار — مر آن جمله در شیوهٔ کارزار

ز شمشیر و تیر و کمان و کمند — ز گوپال و از تیغهای بلند

ز برگستوان و ز خفتان و خود — ز صحرا و دریا و از خشک و رود

زگرگ و ز شیر و ز پیل و پلنگ
ز عفریت و از اژدها و نهنگ

ز نیرنگ غول و ز جادوی دیو
کزایشان بگردون رسیده غریو

ز مردان نامی بهنگام مصاف
ز گردان جنگی گه رزم و لاف

همان نامداران با جاه و آب
چو تور و چو سلم و چو افراسیاب

چو شاه آفریدون و چون کیقباد
چو ضحاک بدکیش و بیدین و داد

چو گرشاسپ و سام نریمان گرد
جهان پهلوانان با دست برد

چو هوشنگ و طهمورث دیوبند
منوچهر و جمشید شاه بلند

چو کاوس کیخسرو تاجور
چو رستم چو روئین تن نامور

چو گودرز و هشتاد پور گزین
سواران میدان و شیران کین

همان نامور شاه لهراسپ را
زریر سپهدار و گشتاسپ را

چو جاماسپ کاندر شمار سپهر
فروزنده تر بد ز تابنده مهر

چو دارای داراب و بهمن همان
سکندر که بد شاه شاهنشهان

چو شاه اردشیر و چو شاپور او
چو بهرام و نوشیروان نکو

چو پرویز و هرمز چو پورش قباد
چو خسرو که پرویز نامش نهاد

چنین نامداران گردن کشان
که دادم یکایک از ایشان نشان

همه مرده از روزگار دراز
شد از گفت من نامشان زنده باز

چو عیسی من این مردگان را تمام
سراسر همه زنده کردم بنام

یکی بندگی کردم ای شهریار
که ماند ز تو در جهان یادگار

بناهای آباد گردد خراب
ز باران و از تابش آفتاب

پی افگندم از نظم کاخ بلند
که از باد و باران نیابد گزند

بدین نامه بر عمرها بگذرد
بخواند هر آنکس که دارد خرد